عبدالرحمٰن ناصر
اصلاحی بی اے (جامعہ)
(سید فاطمہ اطہر پور - سرائے میر - اعظم گڑھ)

الاصلاح

دائرہ حمیدیہ کا ماہوار علمی و مذہبی رسالہ

مرتبہ

امین احسن اصلاحی

Scanned by CamScanner

جلد ۱ | ماہ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۶ء | نمبر ۴

فہرست مضامین

شذرات — امین احسن اصلاحی — ۲ - ۴

باب التفسیر

تفسیر سورہ فیل — مصنفہ استاذ امام مولانا حمید الدین فراہیؒ — ۵ - ۱۱

معارف قرآن

تیسیر قرآن — امین احسن اصلاحی — ۱۲ - ۲۲

قرآن میں تکرار کی نوعیت اور قصۂ آدمؑ و شیطان — مولوی ابو اللیث شبیر محمد صاحب اصلاحی ۔ندوی — ۲۳ - ۳۱

مذاکرہ

حافظوا علی الصلوات الایۃ کا تعلق ماقبل ومابعد سے — مولوی اختر احسن صاحب اصلاحی — ۳۲ - ۳۶

موعظۂ حسنہ

نماز — امین احسن اصلاحی — ۳۸ - ۴۳

مقالات

اسلام اور غیر مسلم اقوام — چودھری غلام احمد صاحب پرویز بی ۔اے — ۴۴ - ۵۹

ادبیات

غزل — مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے ایل ۔ایل ۔بی وکیل — ۶۰

تلخیصات

انگریزی شہنشاہیت کے استحکام کے راز — ا ۔ش — ۶۱ - ۶۴

افلاس کا اثر دماغ پر — ع ۔ل — ″

Scanned by CamScanner

شذرات

مبارکباد!

معاصر بلاغ (امرتسر) کی اپریل کی اشاعت میں "حق گو" صاحب کی ایک مراسلت شائع ہوئی ہے۔ یہ "حق گو" صاحب وہی ہیں جن کی مذہبی تنقیدات بعض اخبارات و رسائل میں برابر شائع ہوتی رہتی ہیں اور جن کو پڑھکر غالباً ہر صاحب علم نے رنج و افسوس کا احساس کیا ہوگا۔ ہم مذہب کو تنقید سے ماورا نہیں سمجھتے۔ مذہب اور مذہب کے ساتھ تمام خیالات و معتقدات کی زندگی کے لیے تنقید ضروری ہے جمود و تعطل کے ساتھ کوئی عقیدہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن تنقید کے لئے صرف آزادی و بیخوفی ہی کافی نہیں ہے بلکہ علم و واقفیت اور فکر و نظر بھی ناگزیر ہے لیکن افسوس ہے کہ موجودہ زمانہ میں جو لوگ مذہب پر تنقید کرنے کے شائق نظر آتے ہیں، انھوں نے اس دوسرے جزء کی اہمیت کو بہت کم محسوس کیا ہے۔

تاہم "حق گو" صاحب کی یہ تحریر پڑھکر ہمارے سامنے ان کی ایک ایسی اخلاقی خوبی نمایاں ہوئی ہے جس پر ہم ان کو مبارکباد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ موصوف صرف تین وقتوں کی نماز کے قائل تھے۔ ان کے خیال میں قرآن مجید سے پانچ وقت کی نمازیں ثابت نہیں لیکن اس تحریر میں انھوں نے اپنے اس خیال سے رجوع کا اعلان کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے۔

"یہ وعظ درحقیقت میری رائے اوقات ثلاثہ سے رجعت کا اعلان ہے۔ میں نے اس آیت (اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ الخ) کے معنی سمجھنے میں غلطی کی تھی، مگر سید سلیمان صاحب ندوی سے ایک ملاقات کے دوران میں مجھے اپنی غلط فہمی کا مقر ہونا پڑا۔ سید صاحب سے بالمشافہ گفتگو کرنے

پر نہ صرف مجھے اپنی رائے اس مسئلہ میں بدلنا پڑی یعنی کہ قرآن میں پانچ اوقات کی نماز کا ذکر نہیں ہے بلکہ مجھے معلوم ہوا کہ سید سلیمان ندوی موجودہ زمانہ میں اسلام کی مغتنم ذاتوں میں سے ہیں جو دنیا میں بہت کم پائی جاتی ہیں"۔

اسکے بعد "حق گو" صاحب نے مذکورہ بالا آیت کے متعلق حضرت سید صاحب قبلہ کی تقریر اپنے لفظوں میں نقل کی ہے۔ تقریر کے نقل کرنے میں، ہمارا خیال ہے، بعض مسامحتیں ہوگئی ہیں جن کی تصحیح نہایت ضروری ہے لیکن ہم کو اس بات سے نہایت خوشی ہوئی کہ "حق گو" صاحب کی نہایت سنگین غلط فہمی رفع ہو گئی اور اس سے بڑھکر مسرت اس بات پر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس اعلان کی توفیق اور ہمت بخشی، درحقیقت یہ اعلان شائع کرکے انھوں نے اخلاقی بلندی کی ایک ایسی عمدہ مثال پیش کی ہے جس کی جسقدر ستایش کی جائے کم ہے۔ ہم حق گو صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں اور متوقع ہیں کہ اگر ان میں یہ وسعت قلب اور حق طلبی موجود ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو ضائع نہ کریگا۔

مدرسۃ الاصلاح کا وفد برما میں

ہندوستان کی کل درسگاہوں میں شاید تنہا مدرستہ الاصلاح ایک ایسا مدرسہ ہے جس کی مستقل آمدنی برائے نام ہے۔ اس کا زیادہ تر سہارا وقتی چندوں اور عطیوں پر ہے جو سفراء اور وفود کے ذریعہ وصول ہوتے ہیں۔ ادھر کئی سالوں سے عام اقتصادی زبوں حالی نے مدرسہ کو سخت خطرات سے دوچار کر دیا تھا۔ اور کارکنوں کے سامنے نہایت صبر آزما وقت آگیا تھا لیکن بمبئی، کلکتہ، برما اور ملایا و سماترا کے مقامی اور پردیسی مسلمانوں نے مدرسہ کو سنبھال لیا۔ ادھر چار پانچ مہینوں سے عزیزی محترم مولوی نور الہدی صاحب اصلاحی اور ان کے رفیق کار جناب مرزا محمد صدیق صاحب برما کا دورہ کر رہے ہیں۔ باوجودیکہ برما کی اقتصادی حالت کچھ اچھی نہیں ہے لیکن دفتر مدرسہ سے یہ اطلاع پاکر ہم کو نہایت مسرت ہوئی ہے کہ ہمدردانِ مدرسہ، حوصلہ اور ہمت کے ساتھ مدرسہ کی اعانت میں شریک ہو رہے ہیں۔ مولوی نور الہدی صاحب

Scanned by CamScanner

اوران کے مخلص رفیق جس سپاہیانہ جوش سے کام کر رہے ہیں وہ بالکل توقع کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قدم پر ان کی مدد فرمائے اور اس راہ کے مصائب جھیلنے کی ہمت بخشے۔

برما کے مخلص ہمدردوں نے ادھر کئی سالوں سے مدرسہ کی اعانت میں جس جوش کے ساتھ حصہ لیا ہے اس کے لئے تمام کارکنان مدرسۃ ان کے دل سے شکر گذار ہیں۔

دائرہ حمیدیہ کے نئے معاونین

دائرہ کے معاونین میں، الحمدللہ، برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ پچھلے مہینہ میں حضرات ذیل کے اسمائے گرامی درج فہرست ہوئے

(۱) جناب مولوی فضل حسین صاحب وکیل ہنمکنڈہ (دکن) (۲) جناب مولوی معین الدین صاحب قادری وکیل ہنمکنڈہ (دکن) (۳) جناب مولوی حاجی غلام سرور خان صاحب گتہ دار (ہنمکنڈہ) (۴) جناب شیخ محمد سلیمان صاحب (رنگون) (۵) جناب قیام الدین صاحب (رنگون) (۶) جناب حافظ محمود صاحب (ہنزدہ لوربرما) (۷) جناب ایس۔ ایم سلیمان صاحب ہنڈلر (سماترا) (۸) جناب مولوی نورالہدیٰ صاحب اصلاحی۔

ہم ان مخلصین کے دل سے شکر گذار ہیں اور دعا گو ہیں کہ جس مقصد کی راہ میں ہم نکلے ہیں ان کی ہمدردی و رفاقت سے، اللہ تعالیٰ اس راہ کی مشکلات ہمارے لئے آسان کرے۔

اس سلسلہ میں ہم اپنے مخلص کرم فرما جناب مولوی حفیظ احمد صاحب منصف ورنگل کے نہایت ممنون ہیں کہ وہ حلقہ معاونین و خریداران الاصلاح کی توسیع میں پوری سرگرمی سے حصہ لے رہے ہیں۔ معاونین کی فہرست میں قارئین جناب شیخ سلیمان صاحب (رنگون) کا نام بھی پائیں گے۔ یہ دائرہ کو ایک گرانقدر عطیہ دے کر اس کے رکن دائمی بن چکے ہیں لیکن عام معاونین و خریداران الاصلاح کی فہرست کو بھی انھوں نے اپنے نام سے محروم رکھنا پسند نہیں کیا۔ اس زمانہ میں علم و مذہب کے ایسے مخلص اور بے ریا خادموں کی مثالیں کتنی مل سکیں گی!

Scanned by CamScanner

باب التفسیر

تفسیر سورۂ فیل

مصنفہ
استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ
مترجمہ
امین احسن اصلاحی

اصحاب فیل پر سنگباری

۸- اصحاب فیل پر سنگباری کا واقعہ کعبہ کی عظمت اور آنحضرت صلعم کی بعثت کی ایک عظیم الشان نشانی ہے، چنانچہ جیسا کہ بعض پیشینگوئیوں میں اشارہ تھا، آنحضرت صلعم اسی سال پیدا ہوئے۔ لیکن اس نشانی کی عظمت اس کے عجیب اور خارق عادت ہونے میں نہیں ہے۔ نشانیوں اور معجزوں کے ظہور کے لیے جو عام قانون الٰہی ہے، یہ نشانی بھی بالکل اس قانون کے اندر ہے۔ قدرت کے تمام کارخانۂ خلق و ایجاد میں پردہ داری کی جو شان ہے، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کارفرمائے غیب کی وہ شان حجاب، معجزات و خوارق کے ظہور میں بھی اسی طرح قائم رہتی ہے۔ اس کی حکمت نے عالم غیب اور عالم شہود کے مابین اسباب و علل کے پردے ڈال دیئے ہیں اور اس کی مرضی یہ ہے کہ ہم اس کے جمال و جلال کا مشاہدہ ان پردوں کے آڑ سے کریں، تاکہ امتحان و آزمائش اور تربیت اخلاق کے مصالح مفقود نہ ہوں۔ کافر ان حجابات میں کھو جاتا ہے، لیکن مومن کی نگاہِ قلب ان سے گزر کر شاہدِ حقیقی کا مشاہدہ کرتی ہے۔ ان خوارق کا قدرت کے عام ضابطہ کے مطابق ہونا گویا خدا کے اس امر و حکم کے سمجھنے کا ایک وسیلہ ہے جو تمام کارخانۂ خلق کا قوام ہے۔

Scanned by CamScanner

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ (النمل ۔ ۸۸) اس خدا کی نادرہ کاری جس نے ہر چیز کو مکمل بنایا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں خوارق کے لئے کوئی مخصوص لفظ نہیں آیا ہے۔ عام مظاہر فطرت کیلئے آیات (نشانیوں) کا لفظ استعمال ہوا ہے بعینہٖ یہی لفظ قرآن نے خوارق کیلئے بھی استعمال کیا ہے مگر عام عقول کی رعایت سے کہیں کہیں بیّنات (واضح کھلی ہوئی) کا لفظ آگیا ہے۔ باقی رہے اہلِ نظر تو ان کے نزدیک تمام عالم بیّنات ہے۔ اس پر تفصیلی بحث ہماری کتاب عیون العقائد میں ملے گی۔ ہمارا اصلی عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ تمام کائنات خدا کے دست تصرف میں ہے۔ اس کے ملائکہ اس کے احکام کی تنفیذ کرتے ہیں اور یہ تمام کارخانہ اس کے حکم کے مطابق ایک نظام حکمت پر چل رہا ہے۔ اس یقین کے بعد انسان خدا کی نشانیوں پر غور کرنے کا اہل ہوتا ہے، اور اس کی خشیت و حکمت میں افزونی ہوتی ہے۔

اس تمہید کے بعد اب واقعہ فیل پر غور کرو، قرآن مجید اور صحف یہود میں اس کی ایک سے زیادہ مثالیں موجود ہیں جن سے آنحضرت صلعم اور حضرت موسیٰ کی باہمی مشابہت بھی واضح ہوتی ہے۔

۱۔ اس کی سب سے پہلی مثال غزوہ بدر میں ملتی ہے، آنحضرت صلعم نے مٹھی بھر کنکریاں لیں اور قریش کی طرف رخ کرکے فرمایا "شاھت الوجوہ۔ خدایا یہ چہرے بگڑ جائیں"۔ اس کے بعد کنکریاں اُن کی طرف پھینکیں اور صحابہ سے فرمایا "بڑھو" نتیجہ یہ ہوا کہ تمام کفار کو آنکھوں کی پڑگئی۔ اسی کی نسبت سورہ انفال میں فرمایا ہے؛

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال) جب تم نے کنکریاں ماریں تم نے نہیں ماریں بلکہ اللہ نے ماریں

دیکھو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کی رمی، کو اپنی رمی کے لئے ایک سبب ظاہر اور پردہ بنایا۔ گو اس موقع پر دو طرف سے کنکریاں پھینکی گئیں، ایک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جس کو کفار نے دیکھا اور ایک خدا کی طرف سے جس کو وہ نہ دیکھ سکے لیکن اس کے اثر کو انھوں نے محسوس کیا۔ اسی لئے آیت میں نفی و اثبات دونوں ساتھ ساتھ آئے ہیں۔ بعینہٖ یہی صورت واقعہ فیل میں بھی نظر آتی ہے۔ قریش سنگباری کے زور سے ابرہہ کی فوج کو، خانہ کعبہ سے دفع کر رہے تھے۔ خداوند تعالیٰ نے اسی پردہ میں، ان پر آسمان سے سنگباری کردی۔ چنانچہ جس طرح غزوہ بدر کی رمی کو اپنی طرف منسوب کیا (ولکن اللہ رمیٰ) اسی طرح یہاں کفار کو کھانے کے بھس کی طرح بنا دینا اپنی قوت تامہ

کی طرف منسوب کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک عظیم الشان معجزہ ہے، کیونکہ قریش کے لئے ابرہہ کے لشکر گراں کو پارہ پارہ کر دینا تو درکنار اس کو شکست دیدینا بھی آسان نہ تھا۔

۲- یہ معجزہ[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات میں سے چھٹے معجزہ سے مشابہ ہے، کتاب خروج ب ۹: ۸- ۱۱ میں ہے۔

"اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون سے کہا کہ دونوں ہاتھ بھر کے بھٹی کی راکھ سے لو اور موسیٰ اسے آسمان کی طرف اڑائے اور وہ مصر کی ساری زمین میں غبار ہو جائیگی اور تمام ملک مصر میں آدمی اور چارپایوں کے بدن پر پھوڑے اور پھپھولے ہوں گے، چنانچہ انھوں نے بھٹی کی راکھ لی اور فرعون کے آگے کھڑے ہوئے اور موسیٰ نے اسے آسمان کی طرف پھینکدیا اور وہ انسان آدمی اور بہائم کے بدن پر پھوڑے اور پھپھولے پیدا ہو گئے اور جادوگر پھوڑوں کے سبب سے موسیٰ کے آگے کھڑے نہ رہ سکے کہ جادوگروں اور سارے مصریوں پر پھوڑے تھے۔"

بعینہٖ اسی قسم کا اثر اصحاب فیل پر ہوا، حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے کہ جس کو پتھر لگے، اس کو چیچک نمودار ہو گئی"۔ حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؓ سے بھی اسی مطلب کی روایات ہیں لیکن مصریوں کے پھپھولے مہلک نہ تھے اور اصحاب فیل کو جو چیچک نکلی اس نے اکثروں کا تو وہیں خاتمہ کر دیا، اور جو بچ رہے وہ بھی بھاگتے ہوئے راستوں میں ختم ہو گئے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے" وہ واپسی میں راستوں اور گھاٹوں پر گرتے اور مرتے رہے"۔

۳- اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آٹھویں معجزہ سے بھی یک گونہ مشابہت ہے، کیونکہ وہ پیکر ہاتھیوں اور مقتولین کی لاشوں کو کھانے کے لئے خدا نے سمندر کی جانب سے بڑی بڑی چڑیوں کے جھنڈ بھیجے۔ اگر یہ لاشیں پڑی رہتیں تو ایک مدت تک کے لئے مکہ بالکل ناقابل سکونت ہو جاتا۔ سفر خروج (ب ۱۰: ۱۲- ۱۹) میں حضرت موسیٰ کا معجزہ یوں بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] مصنفؒ نے ان مواقع پر آیات کا لفظ استعمال کیا ہے، ہم نے مجبوراً ترجمہ میں معجزہ کا لفظ اختیار کیا ہے لیکن اس سے معجزہ مصطلحہ متکلمین نہیں سمجھنا چاہیے، فصل کے شروع میں مصنف نے جو کچھ لکھا ہے اس کو پیش نظر رکھئے (مترجم)

"تب خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ اپنا ہاتھ ٹڈیوں کے لئے مصر کی زمین پر بڑھا تا کہ وہ ملک مصر پر آئیں اور ہر ایک سبزی کو جو اس ملک میں اولوں سے بچ رہی ہی کھالیں، پس موسیٰ نے زمین پر اپنا عصا اٹھایا اور خداوند نے اس تمام دن اور ساری رات پروا آندھی چلائی، جب صبح ہوئی، تو پروا آندھی ٹڈیاں لائی اور ٹڈیاں تمام مصر پر آئیں اور مصر کے تمام اطراف پر بیٹھیں اور ایسی بے شمار تھیں کہ ان سے پیشتر ایسی ٹڈیاں نہ آئی تھیں، نہ ان کے بعد پھر آئیں گی کہ سارا روئے زمین ان سے چھپ گیا، ایسا کہ ملک میں اندھیرا ہو گیا اور انھوں نے اس زمین کی ہر ایک سبزی اور درختوں کے میوؤں کو جو اولوں سے بچ گئے تھے، چاٹ لیا اور تمام ملک مصر میں کسی درخت پر اور میدان کی گھاس میں سبزی نہ چھوڑی۔

تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون کو جلد بلایا اور کہا کہ میں خداوند تمہارے خدا کا اور تمہارا گنہگار ہوں۔ سو اب میں تمہاری منت کرتا ہوں فقط اس مرتبہ میرا گناہ بخشو، اور خداوند اپنے خدا سے شفاعت کرو، کہ فقط اسی موت کو مجھ سے دور کردے، چنانچہ وہ فرعون پاس سے نکل گیا، اور خداوند سے شفاعت کی اور خداوند نے پچھوا آندھی بھیجی جو ٹڈیوں کو لے گئی اور دریائے قلزم میں ڈال دیا۔"

ٹڈیوں کی طرح چڑیاں بھی سمندر کی جانب سے آئی تھیں۔ ان کا آنا بھی ایک بے نظیر واقعہ تھا۔ کثرت میں بالکل ٹڈی دل کی طرح تھیں، جس طرح ٹڈیوں نے اولوں کی تباہ کی ہوئی سبزی اور میوؤں کو صاف کر دیا ہی طرح ان چڑیوں نے ابرہہ کے سنگسار کردہ لشکر کو جو بالکل بھس کی طرح ہو گیا تھا، صاف کیا۔ اگلی فصل میں ہم اس پر تفصیل سے بحث کریں گے۔

واقعۂ طیر

۹۔ ہم نے کہا ہے کہ چڑیاں مکہ کو مقتولین کی لاشوں سے صاف کرنے کے لئے آئی تھیں۔ حالانکہ مشہور روایت یہ ہے کہ وہ اصحاب فیل کو سنگسار کرنے کے لئے بھیجی گئی تھیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ روایات پر کسی قدر تفصیل کیساتھ بحث کیجائے۔

روایات پر غور کرنے سے ہمارے سامنے دو فریق آتے ہیں اور دونوں واقعہ کی تفسیر دو مختلف طریقوں سے

کھینچتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک رائے کو ترجیح دینے سے پہلے ضروری ہے کہ دونوں کے مختلف فیہ پہلوؤں کو الگ الگ دیکھ لیا جائے۔

ایک فریق کے بیانات یہ ہیں۔

۱۔ چڑیاں درندہ قسم کی اور بڑے قد کی تھیں۔

۲۔ ان کا رنگ اور صورت اس اس طرح کی تھی۔

۳۔ انھوں نے اصحاب فیل کی لاشوں کو کھایا۔

۴۔ اصحاب فیل پر ہر سمت سے پتھر آئے۔

۵۔ پتھروں کے لگنے سے ان کو چیچک ہو گئی۔

۶۔ ان کی ہلاکت ایک ہی جگہ نہیں ہوئی، بلکہ بھاگتے وقت بہت سے راستوں میں مرے۔

دوسرے فریق کے بیانات یہ ہیں۔

۱۔ چڑیاں اصحاب فیل کو پتھر مارتی تھیں۔

۲۔ یہ پتھر ان کی چونچوں اور چنگلوں میں ہوتے تھے۔

۳۔ یہ پتھر سواروں کے جسموں سے گذر کر ہاتھیوں کے جسموں میں گھس جاتے تھے۔

۴۔ جہاں تھے وہیں ڈھیر ہو گئے۔

۵۔ سیلاب آیا اور مقتولین کی لاشوں کو بہا لے گیا۔

ان باتوں کو پیش نظر رکھو۔

اب ہم دونوں قسم کی روایتیں تفسیر ابن جریر سے نقل کرتے ہیں، ہم نے صرف اسی کتاب پر اکتفا کیا اور قصداً انہی کتابوں کو نظر انداز کر دیا ہے جن میں بغیر کسی جرح و تنقید کے ضعیف و موضوع روایات بھر دی گئی ہیں

Scanned by CamScanner

۱۔ عکرمہ[۱] سے "طیراً ابابیل" کے بارہ میں روایت ہے کہ "یہ چڑیاں سیاہی مائل خاکی رنگ کی تھیں، سمندر کی سمت سے آئی تھیں، ان کے سر درندوں کے سر کی طرح تھے"۔

۲۔ محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے طیراً ابابیل کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد چڑیاں ہیں، ان کے چڑیوں کی طرح کے سونڈ اور کتے کے پنجوں کے مانند چنگل تھے۔

یہ دوسری روایت حضرت ابن عباس سے متعدد طرق سے مروی ہے۔ اس میں ایک بات قابل لحاظ ہے کہ انھوں نے ان چڑیوں کی چونچوں کیلئے "خرطوم" (سونڈ) کا لفظ استعمال فرمایا ہے، جو شکاری چڑیوں کی چونچ کے لئے مستعمل ہے، چنانچہ امرؤ القیس کا شعر ہے۔

کانہا لقوۃ طلوب　　کان خرطومہا منشال

وہ (اونٹنی) جھپٹنے والے عقاب کی طرح ہے　　جس کی چونچ کرچھے کے مانند ہے

۳۔ سعید بن جبیر نے "طیراً ابابیل" کے بارہ میں فرمایا: ۔ یہ چڑیاں سیاہی مائل خاکی رنگ کی تھیں اور زرد گوں چونچوں سے ان کا گوشت کھاتی تھیں۔

دیکھو، عکرمہ اور ابن عباس کی روایت سے صاف واضح ہے کہ چڑیاں بڑے قد کی شکاری چڑیوں کی قسم کی تھیں۔ مثلاً گدھ وغیرہ، ابن جبیر والی روایت میں تصریح ہے کہ وہ ان کی لاشوں کو کھاتی تھیں۔ ان روایات میں چڑیوں کے پتھر مارنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس کے بعد ہم کو وہ روایتیں ملتی ہیں جو قتادہ اور عبید بن عمیر سے مروی ہیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ چڑیاں چونچوں اور چنگلوں میں پتھر لئے ہوئے ہوتی تھیں، ان روایات میں، چڑیوں کے از قسم جوارح ہونیکا کوئی ذکر نہیں ہے،

ان کے علاوہ ایسی روایتیں بھی ہیں جن میں یہ دونوں قسم کی باتیں یکجا ہو گئی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ راویوں کی اصطلاحی

---

[۱] مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تمام روایتیں بقید سند نقل کی ہیں۔ میں نے بقصد اختصار سند حذف کر دی ہے۔ (مترجم)

ہے، انھوں نے غلطی سے دونوں قسم کی روایتوں میں خلط مبحث کردیا ہے چنانچہ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں اس واقعہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہاں مختلف روایتیں باہم گڈمڈ ہوگئی ہیں"۔

اب ان دونوں قسم کی روایات پر غور کرنا چاہیے۔ جن لوگوں نے چڑیوں کی شکل صورت، انکا رنگ، انکی چونچوں کی زردگونی، انکا لاشوں پر گرنا سب کچھ بیان کیا ہے، ظاہر ہے کہ انکا بیان عینی شہادت پر مبنی ہوگا۔ باقی جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ چونچوں اور چنگلوں میں پتھر اٹھائے ہوئے تھیں ان کی بابت زیادہ سے زیادہ صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ یا تو انھوں نے اوپر سے پتھر برستے ہوئے دیکھے اور دور سے یہ گمان کرلیا کہ یہ چڑیاں پھینک رہی ہیں یا ترمیہم کی ضمیر کا مرجع طیراً کو سمجھا اور پھر اصل واقعہ کی تحقیق کئے بغیر آیت کی جو تاویل ذہن میں آئی اسی سانچہ میں قصہ کو بھی ڈھال لیا۔ اس کے بعد جب سوال سامنے آیا کہ ہاتھیوں اور مقتولین کی متعفن لاشیں جن سے تمام وادی مکہ اٹ گئی تھی کس طرح دور کی گئیں؟ اسکا جواب یہ دیدیا کہ اللہ تعالیٰ نے سیلاب بھیجا وہ سب بہالے گیا حالانکہ اس جواب کے بعد یہ غور کرنا باقی رہجاتا ہے کہ جو بے پناہ سیلاب ان ہاتھیوں اور اتنے بیشمار مقتولین کی لاشیں بہالے گیا اس کے زد سے وادی مکہ کے باشندے کیسے بچ گئے؟ بہرحال یہ ایک رائے ہے، اسکی بنیاد مشاہدہ اور واقفیت پر نہیں ہے۔

آگے بڑھکر ان لوگوں کو ایک اشکال بھی پیش آیا، وہ یہ کہ چڑیوں کی چنگلوں اور چونچوں سے جو پتھر گرتے رہے ہونگے۔ ظاہر ہے بہت ہلکے گرتے رہے ہونگے، پھر ان ہاتھیوں کو کیسے لگے ہونگے، جو ہودجوں اور سواروں سے بالکل ڈھکے ہوئے تھے؟ اسکا جواب یہ دیدیا کہ یہ پتھر سواروں کے جسموں سے گذر کر ہاتھیوں کے جسموں تک پہونچ جاتے تھے۔ واقعہ کی اس حد تک پہونچ جانیکے بعد ان کو مجبوراً یہ بھی فرض کرلینا پڑا کہ ابرہہ کی پوری فوج عین موقع ہی پر تباہ ہوگئی اور یہ بربادی صرف پتھروں کے ذریعہ ہوئی۔ لیکن فریق اول کے بیان میں قصہ یہ ہے کہ جنکو پتھر لگے وہ چیچک میں مبتلا ہوگئے اور سب فوراً نہیں ہلاک ہوگئے بلکہ نہایت بدحواسی کیساتھ بھاگے اور راستوں میں ہر جگہ نہایت بیکسی کے عالم میں جانیں دیں۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دوسرے فریق کی رائے تمام تر اس فرض پر مبنی ہے کہ رمی چڑیوں کیجانب سے ہوئی، اس فرض کے بعد، واقعہ کا پورا سلسلہ آپ سے آپ اسی سانچہ میں ڈھل گیا۔ یہ رائے ذاتی مشاہدہ یا مشاہدہ کرنے والوں کے بیانات پر مبنی نہیں ہے۔

ذیل میں ہم ان لوگوں کے اقوال نقل کرتے ہیں جو موقع پر موجود تھے اور تمام حالات کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔

(باقی)

Scanned by CamScanner

معارف قرآن

تیسیر قرآن

از

امین احسن اصلاحی

ایک فاضل دوست نے، جو ماشاء اللہ خود اصحاب درس و افتاء اور ارباب تصنیف و تالیف میں ہیں، عرصہ ہوا، مجھے چند اشارات لکھ بھیجے تھے اور خواہش کی تھی کہ ان کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کروں۔ اسی وقت چند صفحات لکھے لیکن پھر دوسرے اشغال نے اپنی طرف متوجہ کر لیا اور مضمون کے تمام کرنے کی نوبت نہ آئی۔ اب مسودات اُلٹے پلٹے تو یہ اوراق پریشاں ہاتھ آگئے اور دیکھا تو ان میں قرآن مجید کے متعلق بعض نہایت ضروری مسائل وقت بیان ہو گئے ہیں، اس لئے قارئین "الاصلاح" کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ ادھر ایک آدھ ہفتہ سے میری طبیعت کچھ اچھی نہیں ہے اس لئے افسوس ہے کہ ضروری حک و اصلاح نہ ہو سکی اس کیلئے معذرت خواہ ہوں۔ فاضل دوست کے اشارات یہ ہیں۔

(۱) ھدی للناس الخ (۲) ولقد یسرنا القرآن للذکر الخ (۳) قرآنا عربیا غیر ذی عوج الخ (۴) تبیانا لکل شیٔ الخ

ان آیات کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ

(۱) خدا نے قرآن میں جو بات بیان کی ہے کھول کر، بیان کی ہے۔ اس میں کوئی چیز گنجلک نہیں ہے۔

(۲) قرآن جو بذات خود، دنیا کے ہر طبقہ کے لئے ہدایت ہے، محتاج تفسیر و تاویل نہیں۔

(۳) اس کا انداز بیان اسقدر واضح اور شگفتہ ہے کہ وہ مخاطب کو، فہم مطالب میں محتاج غیر نہیں بناتا۔

Scanned by CamScanner

(۴) صرف عربی زبان دانی قرآن دانی کے لئے بس ہے۔

(۵) قرآن کو نہ نبی کے تشریحی بیانات کی حاجت ہے نہ شان نزول کی۔ لغت عرب کے سوا، قرآن کے معنی سمجھنے میں، کسی خارجی چیز سے مدد لینا قرآن کو معنوی تحریف کے غار میں ڈھکیلنا ہے۔ اور اس کی قطعیت کو برباد کرکے، مظنون و موہوم بنانا ہے۔"

ان کی نسبت میری معروضات یہ ہیں۔

ان تمام دعاوی کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید اپنی تعلیمات، اپنی زبان، اپنے انداز بیان، ہر پہلو سے بالکل واضح ہے اس لئے اس کا مخاطب، اس کو سمجھنے کے لئے عربی زبان کی معرفت کے سوا، کسی خارجی اعانت کا محتاج نہیں ہے۔

اس دعویٰ کی تائید میں، عموماً جو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) قرآن مجید، بنی نوع آدم کے تمام طبقات کے لئے صحیفۂ ہدایت بنکر نازل ہوا ہے۔ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ جو اس پر ایمان لائیگا، فلاح پائیگا اور جو اعراض کریگا وہ ہلاک ہوگا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اسکی تعلیم و دعوت کا معیار، عام عقل انسانی کے معیار کے مطابق ہو کہ ہر وہ انسان، جو فکر و نظر کی عام استعداد رکھتا ہے، اس کو سمجھ سکے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرکے خالق کی خوشنودی اور رضا حاصل کرسکے۔ ایک ایسی کتاب جس کا مقصد عام تعلیم و دعوت ہو، نہ تو لفظاً اتنی مجمل اور پیچیدہ ہونی چاہیے کہ جب تک خواص اس کی مشکلات حل نہ کریں وہ سمجھ میں نہ آئے اور نہ معناً اس قدر مبہم اور دقیق کہ انسانی فہم و ادراک کی عام استعداد اس کے اسرار و غوامض کے انکشاف سے قاصر رہ جائے۔

(۲) قرآن مجید قطعی الدلالۃ ہے اس لئے اس کی تفسیر و تاویل ایسی چیزوں کی اعانت سے مستغنی ہونی چاہیے جنکا بیشتر حصہ ظنی ہے، مثلاً روایات و احادیث وغیرہ، ورنہ قرآن مجید کی قطعیت برباد ہو جائیگی۔

(۳) قرآن مجید نے خود جا بجا اپنی تعریف ایسے لفظوں میں کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکی عبارت

Scanned by CamScanner

نہایت آسان، اس کا طرز بیان نہایت شگفتہ، اس کا طریق استدلال بالکل واضح ہے اس لئے اس کے سمجھنے میں ایک عجمی کے لئے، عربی زبان کی معرفت کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً سورہ قمر میں ہے ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مدکر۔ سورہ زمر میں ہے قرآنا عربیا غیر ذی عوج لعلھم یتقون

ابتدا اور انتہا

ان دعاوی میں بہت سی غلط فہمیاں پوشیدہ ہیں جن کو آگے چلکر ہم بے نقاب کرینگے لیکن ایک حقیقت کا ہم کو بے تکلف، پہلے ہی قدم پر اعتراف کرلینا چاہئے کہ یہ جو کچھ آج کہا جارہا ہے کسی عارضی غلط فہمی یا غلط روی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کی تفسیر و تاویل کا جو طریقہ، ایک عرصہ سے، مسلمانوں میں رائج و مقبول ہے اس کا لازمی نتیجہ ہی یہی تھا کہ ایک زمانہ آئے جس میں اس طریقہ کے متعلق طرح طرح کی بدگمانیاں اور شکوک پیدا ہوں اور کتاب الٰہی کے متعلق آزادی و مطلق العنانی کا ایک ایسا فتنہ اُٹھ کھڑا ہو جو پچھلے تمام فتنوں سے زیادہ اشد و شدید اور ہلاکت انگیز ہو۔

اس اجمال کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ سمجھنے کے لئے ضرورت ہے کہ ایک نظر تفسیر قرآن کے مختلف ادوار اور ان کے مناہج پر ڈالی جائے۔

تفسیر کے مختلف مناہج

یہ حقیقت بلا اختلاف مسلم ہے کہ تفسیر قرآن کا سب سے زیادہ مبارک دور صدر اول کا دور ہے اور اس کی وجہ صاف ہے کہ قرآن مجید کے تعلیم و تعلم کے تمام ضروری شرائط و حالات اس عہد میمون میں، بدرجہ اتم موجود تھے۔ پھر دور نبوت کے بعد، اسلامی تعلیمات کے اضمحلال، عجمیت اور عجمی عوام کے اختلاط، لسانی مذاق کے فساد نے بدعات کا فتنہ اٹھایا اور چونکہ دین کی اصلی بنیاد قرآن مجید تھا، اس لئے قدرتی طور پر اہل بدعت کے تیشے سب سے پہلے اسی پر پڑے۔ اس فتنہ کے سدباب کے لئے اہل سنت اور اصحاب حق و معرفت نے یہ مذہب اختیار کیا کہ تفسیر قرآن کے باب میں، تمام قیل و قال سے علیحدہ ہو کر حتی الامکان صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب و تابعین رضی اللہ عنہم کے اقوال و آثار پر اعتماد کیا جائے کہ اصحاب اہواء و اغراض کے لئے کتاب الٰہی میں دراندازی کا کوئی منفذ باقی نہ رہ جائے۔ یہ حقیقت میں ایک فتنہ کے سدباب کے لئے ایک وقتی تدبیر

Scanned by CamScanner

اور ایک بیماری کی مناسب وقت دوا تھی کہ جو جماعت اپنی بدعات کی حمایت وتائید میں قرآن کو ساتھ لینا چاہتی ہے اس کے لئے یہ راہ مسدود ہو جائے۔

اس اصول پر تفسیر کی جو سب سے زیادہ جامع اور عظیم الشان کتاب تالیف ہوئی وہ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جس میں وہ سب کچھ یکجا جمع ہے جو سلف سے بطریق روایت منقول ہے۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ ہر آیت کے تحت میں سلف کے تمام اقوال، بغیر کسی جرح و نقد کے جمع کر دیتے ہیں اور جو قول ان کے نزدیک زیادہ اقرب الی الصواب ہوتا ہے، اخیر میں اس کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ حتی الامکان وہ قول اختیار کرتے ہیں جو تمام وجوہ کا جامع ہو۔ لغت و نحو سے اکثر استدلال کرتے ہیں لیکن نہ تو اس میں روایات کی تنقید ہے نہ قرآن پر قرآن اور تاریخ یا عقل وغیرہ کے پہلو سے بحث کی گئی ہے۔ اس لئے اس میں جو جواہر ریزے ہیں وہ منکر اور ضعیف روایات کے انبار میں گم ہیں اور جب تک خود قرآن یا عقل کی روشنی رہنمائی نہ کرے ان کا سراغ متعذر ہے۔ اس عظیم الشان تصنیف سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ نقد و نظر کی پوری رہنمائی ساتھ ہو۔

ہم اس تنقید سے اس عظیم الشان تالیف کی تنقیص نہیں کرنا چاہتے۔ مولف رحمۃ اللہ علیہ کا عذر واضح ہے۔ انھوں نے جمع کی خدمت انجام دی ہے، نقد و نظر اہل نظر کے لئے چھوڑ دیا۔ اگر یہ خدمت بھی وہ اپنے سر لیتے تو شاید روایات و آثار کا ایسا عظیم الشان ذخیرہ ہم کو ہاتھ نہ آتا۔ ابھی حال ہی میں، ان کے حالات میں کہیں یہ پڑھکر تعجب ہوا کہ ان کے ذخار قلم نے جو سرمایہ فراہم کر دیا ہے، اگر ان کی تصنیفی عمر کو سامنے رکھکر، اس کا حساب کیا جائے تو روزانہ چالیس صفحہ کا اوسط پڑیگا۔ ایک ایسا سبک عنان قلم اگر جمع و تالیف کے ساتھ ساتھ نقد و نظر کے الجھاؤ میں بھی پڑ جاتا تو جو خدمت انجام پا سکتی اس کی بساط کیا ہوتی؟

اس کے بعد سب سے زیادہ مشہور و متداول تفسیر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ لیکن یہ حقیقت میں تفسیر ابن جریر کا خلاصہ ہے۔ صرف اتنی بات اس میں نئی ہے کہ محدثانہ طریق پر روایات کی تنقید کی گئی ہے۔ باقی قرآن مجید کے فہم و تدبر کے دوسرے اصولوں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صرف اسقدر تبدیلی کچھ زیادہ

Scanned by CamScanner

مفید مقصد نہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر تمام متکلمین کے اقوال کا مجموعہ ہے۔ انھوں نے روایات کے پہلو میں کلامی جدلیات کو جگہ دی اور اس شان و اہتمام کے ساتھ کہ خود قرآنی مباحث و مطالب کیلئے اس میں بہت کم گنجائش رہ گئی۔ اور جو کتاب مجید جن و بشر کے ارواح و قلوب کے تزکیہ کے لئے اتری تھی وہ اشعریت و اعتزال کی معرکہ آرائیوں کی رزمگاہ بنکر رہ گئی۔ پھر جو لوگ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی قلمی فتوحات کی دسعتوں سے باخبر ہیں وہ اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید جس امعان نظر اور فکر و تدبر کا محتاج ہے وہ انکے تیز رو قلم کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ بلند رتبہ تصنیف بھی لوگوں کو مطمئن نہ کر سکی۔

علامہ زمخشریؒ کی تفسیر کا نہج ان سب سے نسبتہً الگ ہے۔ ان کی نظر کا محور عموماً عبارت قرآن ہوتی ہے۔ لغت، اعراب، ربط کلام سے بحث کرتے ہیں احتیاط کے ساتھ روایات بھی لاتے ہیں۔ ان کی ایک خصوصیت نہایت قابل قدر ہے کہ لغت و اعراب میں عموماً صحیح مذہب اختیار کرتے ہیں۔ اس چیز میں امام رازیؒ بھی ان کا لوہا مانتے ہیں کہ باوجود حریفانہ کاوش کے، ان کی لغوی نحوی تحقیقات اکثر اپنی کتاب میں، بلا تکلف بغیر کسی تغییر و تصرف کے نقل کرتے ہیں۔ ان اعتبارات سے یہ کتاب قرآن مجید کے طالب العلموں کے لئے نسبتہً زیادہ مفید ہے۔ لیکن امام رازیؒ جس طرح اشعریت کے علمبردار ہیں اسی طرح یہ مذہب اعتزال کے حامیوں میں ہیں۔ اور کتاب الٰہی کے ساتھ سب سے بڑی ناانصافی یہی ہے کہ اس کو اس کی مرکزیت سے ہٹا کر کسی خاص مذہب و خیال کی روشنی میں دیکھا جائے۔

تفسیر کی امہات کتب یہی ہیں جو عام طور پر لوگ پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔ ان کے علاوہ جو کتابیں ہیں وہ درحقیقت انہی سے ماخوذ ہیں۔ بعض تفسیریں تصوف کے رنگ میں بھی لکھی گئی ہیں۔ لیکن ان کے نہج استدلال اور طریق بحث و نظر میں ایک مخصوص ذوقی رنگ غالب ہے جس کو وہ لوگ نہیں قبول کر سکتے جو قرآن مجید کو روایات یا الفاظ و لغات کی روشنی میں سمجھنا چاہتے ہیں۔ اس قسم کی تفسیریں ہماری نظر سے کم گذری ہیں اس لئے ہم انکی

نسبت کوئی سنجیدہ رائے نہیں دے سکتے۔ لیکن عام مطالعہ میں بعض اکابر صوفیہ کے جو اقوال نظر سے گذرے ہیں ان سے نہایت مایوسی ہوئی۔ مثلاً ایک بزرگ، جو سرخیل حلقۂ تصوف ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جنہوں نے اللہ کا ایمان اپنے دلوں میں چھپالیا، ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہ لائیں گے کیونکہ وہ میرے سوا کسی کو نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان بھر کر اس کو مہر لگادی ہے۔ اب اسمیں کسی اور کی سمائی نہیں[لہ] وغیر ذلک من المزخرفات۔ ممکن ہے یہ اقوال منحول ہوں اور خدا کرے ایسا ہی ہو لیکن یہ حقیقت عام طور پر معلوم ہے کہ تفسیر کے متعلق اہل تصوف کے جو اقوال عموماً کتابوں میں ملتے ہیں ان پر ذوقی رنگ غالب ہے، بلکہ ایک حد تک ان میں باطنیت کی جھلک ہوتی ہے جس کے لئے لغت و زبان سے انحراف لازمی ہے۔ جن لوگوں نے اس رنگ کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے وہ ہماری اس رائے سے اختلاف نہیں کر سکتے۔

اس سلسلہ پر نظر ڈالنے کے بعد، ہر شخص فیصلہ کریگا کہ صدر اول کے بعد تفسیر قرآن کی راہ میں ہم نے جو پہلا قدم اٹھایا اگرچہ اس کی محرک ایک نہایت عظیم الشان نیک نیتی تھی لیکن افسوس ہے کہ اس کے نتائج خاطر خواہ نہ ہوئے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ جن فتنوں کے سدباب کے لئے یہ حدبندی کی گئی تھی، بالآخر ایک دوسری شکل میں ان تمام فتنوں کے لئے راہ کھل کر رہی یعنی اہل بدعت اور اصحاب باطل کی مطلق العنانیوں اور فتنہ آرائیوں سے بچنے کے لئے ہم نے روایات و آثار کے حرم میں پناہ لی پھر روایات میں اس درجہ توغل ہوا کہ ان کے بارہ میں نقد و تمیز کی آنکھیں بند ہوگئیں اور آہستہ آہستہ صحیح روایات کے ساتھ قصص اور اسرائیلیات کا ایک بڑا حصہ بھی تفسیر کی کتابوں میں داخل ہوگیا۔ یہاں تک کہ جو چیز ایک بہت بڑے فتنہ کے سدباب کے لئے اختیار کی گئی تھی اس نے خود ایک فتنہ کی صورت اختیار کر لی۔

لہ صفحہ ۱۱۵ فتوحات مکیہ ج ۱

Scanned by CamScanner

جرح و نقد سے بے پروائی کا ایک افسوسناک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ ہر آیت کے متعلق صحیح اور غلط اقوال کا ایک ایسا انبار جمع ہو گیا کہ کسی آیت کی صحیح تاویل معلوم کرنا نہایت مشکل ہو گیا۔ یہاں تک کہ ہر آیت کے متعلق بہت سے مختلف اور متضاد اقوال کا جمع کر دینا ہی کمال قرآن دانی سمجھا جانے لگا۔ حالانکہ یہ موٹی سی بات ہر عقل سمجھتی ہے کہ ایک آیت کے متعلق صحیح بات صرف ایک ہی ہو سکتی ہے لیکن ہر آیت کے متعلق متعدد اقوال کا بطریق روایت منقول ہونا ایک ایسی مشکل تھی جسکا جرأت کیساتھ مقابلہ کرنا آسان کام نہ تھا۔ کسی آیت کو لیجئے اور اس کی تفسیر ابن جریر میں یا کسی ایسی ہی مطول کتاب میں دیکھئے، ہر ایک کے ذیل میں متعدد اقوال ملیں گے جو عموماً ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ تفسیر میں صرف روایات ہی کو معتمد قرار دینا قرآن مجید کی قطعیت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس صورت میں خود قرآن مجید کے الفاظ کا حکم باطل ہو جاتا ہے اور تمام دارومدار صرف روایت پر رہ جاتا ہے۔ اور تفسیر کی روایتوں کے متعلق ناقدین روایت کا فیصلہ معلوم ہے کہ ان میں روایت کے عام اصولوں کی پروا بہت کم کی گئی ہے۔ ہم کو اس حقیقت سے انکار نہیں کہ روایات کی تنقید کے لئے لوگوں نے اصول بنائے ہیں جن کی مدد سے قوی اور ضعیف روایات میں تمیز کی جا سکتی ہے لیکن اس کے بعد بھی بہرحال قرآن کی تفسیر ظنیات ہی پر مبنی رہتی ہے۔

فلسفۂ و کلام کے شیوع نے جب قرآن کی بارگاہ قدس میں کلامی جدلیات اور فلسفیانہ موشگافیوں کو بار دیا تو یہ الجھاؤ اور زیادہ بڑھ گیا۔ اب تک قرآن مجید کی تاویل صرف روایات ہی پر منحصر تھی۔ ہر بات کا سلسلہ صحیح یا غلط، ابن عباس، مجاہد، قتادہ وغیرہم (رضی اللہ عنہم) تک پہنچتا تھا لیکن اب وہ لوگ بھی شریک بزم ہو گئے جو نقل سے زیادہ عقل کے دلدادہ تھے۔ اور قرآن مجید کی ہر آیت کو اپنے قالب میں ڈھالنے کے شایق۔ الفاظ قرآن کی حکومت پہلے ہی اٹھ چکی تھی، اس لئے ان کی راہ میں بجز روایات و آثار کے حصار کے کوئی روک نہ تھی۔ یہ حصار مذہبی تقدس اور عام ہر دلعزیزی کی وجہ سے دیوار حرم تھا اس لئے اس کو یکقلم ڈھا دینا تقریباً ناممکن تھا۔ اس مشکل کو انھوں نے یوں حل کیا کہ روایات م

Scanned by CamScanner

آثار کے وافر ذخیرہ میں سے ہر گروہ نے اتنا لے لیا جتنا اس کے موافق تھا باقی کو بغیر ہاتھ لگائے اپنے حریفوں کے لئے چھوڑ دیا۔ جو آیتیں اپنے قرار دادہ مذہب کے موافق نظر آئیں ان کو اپنی تائید میں اختیار کر لیا اور جو بظاہر کسی قدر مخالف نظر آئیں، چونکہ تعدد اقوال کسی وجہ سے ان میں ایک معنی کی تعیین مشکل تھی، اس لئے ان کو آیات متشابہات کی فہرست میں داخل کر دیا۔ اس طرح ایک ہی آیت ایک فریق کے نزدیک محکم بن گئی اور دوسرے کے نزدیک متشابہ۔ منسوخات کے سلسلہ میں قرآن کا ایک حصہ آیت سیف کی نذر ہو چکا تھا اس فرقہ وارانہ تقسیم نے ایک حصہ آیات متشابہات کی فہرست میں داخل کر دیا۔

اس اختلاف و نزاع نے آگے بڑھ کر ایک اور فتنہ اٹھایا یعنی سرے سے تمام دلائل لفظیہ کی قطعیت ہی مشتبہ و مشکوک ہو گئی اور لوگوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ چونکہ کلام کی بنیاد تمام تر نقل پر ہے اور نقل ایک ظنی چیز ہے اس لئے دلائل لفظیہ قطعی نہیں ہو سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو آیتیں اپنے مفہوم میں بالکل ظاہر تھیں ان کو بھی اگر کسی جماعت نے اپنے مزعومہ مذہب کے خلاف پایا، آیات متشابہات کی صف میں داخل کر دیا۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں۔

اعلم ان هذا موضع عظیم فنقول	یہ ایک نہایت اہم مقام ہے۔ ہر صاحب مذہب دعویٰ
ان کل واحد من اصحاب المذاهب	کرتا ہے کہ جو آیتیں اس کے مذہب کے موافق ہیں وہ محکم ہیں اور
یدعی ان الآیات الموافقة لمذهبه	جو اس کے فریق کے مذہب کے موافق ہیں وہ متشابہ ہیں۔ معتزلی
محکمة وان الآیات المحکمة الموافقة لقول	کا دعویٰ ہے کہ فمن شاء فلیومن الخ محکم ہے اور وما تشاؤن الخ
خصمه متشابهة فالمعتزلی یقول قوله تعالیٰ	متشابہ ہے۔ پیروِ سنت اس کے برعکس دعویٰ کرتا ہے اس لئے
"فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر" محکم وقوله	ضروری ہے کہ اس کے متعلق کوئی قانون بنایا جائے۔۔۔
"وما تشاؤن الا ان یشاء الله رب العالمین"	....
متشابه والسنی یقلب الامر فی ذلک فلابد	....

Scanned by CamScanner

من قانون يرجع اليه[51] ....

یہ قانون امام رازی کے لفظوں میں یہ ہے۔

فنقول ان اللفظ اذا كان محتملا لمعنيين وكان بالنسبة الى احدهما راجحا وبالنسبة الى الآخر مرجوحا فان حملناه على الراجح ولم نحمله على المرجوح فهذا هو المحكم واما ان حملناه على المرجوح ولم نحمله على الراجح فهذا هو المتشابه فنقول صرف اللفظ عن الراجح الى المرجوح لا بد فيه من دليل منفصل وذلك الدليل المنفصل اما ان يكون لفظيا واما ان يكون عقليا[52]

ہم کہتے ہیں کہ جب کوئی لفظ دو معنوں کا محتمل ہو اور ایک معنی میں راجح اور دوسرے معنی میں مرجوح ہو اور ہم مرجوح سے ہٹ کر اس کو راجح پر محمول کریں تو یہ محکم ہے اور اگر ہم راجح سے ہٹ کر مرجوح پر محمول کریں تو یہ متشابہ ہے پس ہم کہتے ہیں کہ لفظ کو راجح سے مرجوح کی طرف ہٹانا کسی علیحدہ دلیل کا محتاج ہے اور یہ علیحدہ دلیل یا تو لفظی ہوگی یا عقلی..........

اب لفظی دلائل کے بارہ میں امام رازیؒ کا فتویٰ سنئے۔

لان الدلائل اللفظية لا تكون قاطعة البتة لان كل دليل لفظي فانه موقوف على نقل اللغات ونقل وجوه النحو والتصريف وموقوف على عدم الاشتراك[53] وعدم المجاز وعدم التخصيص وعدم الاضمار وعدم المعارض النقلي والعقلي وكل ذلك مظنون والموقوف

لفظی دلائل ہرگز قطعی نہیں ہو سکتے کیونکہ ہر دلیل لفظی لغات اور وجوہ نحو و صرف کے نقل اور عدم اشتراک عدم مجاز، عدم تخصیص، و عدم اضمار اور عدم معارض عقلی و نقلی پر مبنی ہو اور ان میں سے ہر چیز مظنون ہے اور جو چیز مظنون پر موقوف ہے وہ بدرجہ اولیٰ مظنون ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ لفظی دلائل ہرگز قطعی نہیں ہو سکتے۔

[51] تفسیر کبیر جز ۲ ص ۵۹۶ [52] تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۹۶۔

Scanned by CamScanner

علی المظنون اولیٰ ان یکون مظنونا فثبت

ان شیأ من الدلائل اللفظیۃ لایکون قاطعا

لفظی دلائل کے مظنون و غیر معتبر ہوجانے کے بعد صرف ایک چیز باقی رہ گئی یعنی عقل لیکن عقل بھی وہ عقل نہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو بخشی ہے بلکہ وہ عقل جو ارسطوئے یونانی کے بنائے ہوئے رستوں پر چلنے کی عادی اور ہمارے متکلمین وفلاسفہ کی طرح موشگافیوں اور نکتہ آرائیوں کی خوگر ہو۔ غرض قرآن کی باگ کلامی جدلیات کے ہاتھ میں چلی گئی چنانچہ اسی سلسلہ میں امام رازی فرماتے ہیں۔

فاذا کانت المسئلۃ قطعیۃ یقینیۃ کان القول فیھا بالدلائل الظنیۃ الضعیفۃ غیر جائز مثالہ قال اللہ تعالیٰ لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ قام الدلیل القاطع علی ان مثل ھذا التکلیف قد وجد علی ما بینا بالبراھین الخمسۃ فی تفسیر ھذہ الآیۃ فعلمنا ان مراد اللہ تعالیٰ لیس ما یدل علیہ ظاھر ھذہ الآیۃ ؎۱

جبکہ ایک مسئلہ اپنی جگہ پر قطعی و یقینی ہو تو اس کے بارہ میں ظنی اور کمزور دلائل کی بنا پر کچھ کہنا ناجائز ہے مثلاً "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" کے متعلق قطعی دلائل سے ثابت ہوچکا ہے کہ اس قسم کی تکلیف مالایطاق اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیتا ہے۔ ہم اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں اس کی تائید میں پانچ نہایت محکم دلیلیں لکھ چکے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد وہ نہیں ہوسکتی جو کہ آیت سے معلوم ہوتی ہے۔

امام رازیؒ اور تمام اشاعرہ تکلیف مالایطاق کے قائل ہیں۔ اس مسئلہ کی تائید میں انھوں نے سورۂ بقرہ کی آیت ۶ اور مذکورہ بالا آیت کے تحت میں متعدد دلیلیں بیان کی ہیں۔ اس کے علاوہ تفسیر میں جہاں کہیں ضرورت محسوس کی ہے اس کے وجوہ و دلائل کی تفصیل کی ہے لیکن مندرجہ ذیل آیت ان کو اپنے مذہب کے صریح خلاف اور حریفوں یعنی معتزلہ کے مذہب کی علانیہ موید نظر آئی۔ اس سے بچنے کیلئے انھوں نے اولاً

؎۱ تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۰۲

Scanned by CamScanner

اس کے نظم کو الٹا پلٹا۔ جب اس سے تشفی نہ ہوئی تو اپنی برہانیات کا ترکش سنبھالا لیکن تمام ترکش خالی کر دیئے گئے بعد جب اس سے بھی قلب کو اطمینان نہ ہوا تو وہ شمشیر آبدار بے نیام کی جس کی کاٹ کیلئے کوئی سپر نہیں تھی۔ یعنی اعلان کر دیا کہ اگرچہ آیت کے الفاظ صاف صاف پکار رہے ہیں کہ خدا تکلیف مالا یطاق نہیں دیتا لیکن جب ایک دو نہیں بلکہ ۵ عقلی دلیلوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ خدا تکلیف مالا یطاق دیتا ہے تو قرآن کی ایک آیت جس کے الفاظ کی دلالت بالکل ظن و سماع پر مبنی ہے اس محکم قلعہ کو منہدم نہیں کر سکتی۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے مندرجہ ذیل نتائج مستنبط ہوتے ہیں۔

(۱) صدر اول کے بعد تفسیر قرآن کے باب میں تمام تر اعتماد روایات و آثار پر رہ گیا اور اس میں اس قدر توغل ہوا کہ رطب و یابس کی تمیز اٹھ گئی اور ہر طرح کے قصے اور اسرائیلیات تفسیر کی کتابوں میں جگہ پا گئے۔ اور ان روایات پر اس درجہ اعتماد کر لیا گیا کہ گویا قرآن کے الفاظ کی دلالت بالکل معطل ہو گئی۔

(۲) علم کلام کے توغل نے قرآن مجید کی قطعیت کو اور زیادہ مشتبہ کر دیا کہ سرے سے الفاظ و کلمات کی دلالت ہی بیکار ہو گئی اور تمام تر بھروسہ ان برہانیات پر رہ گیا جو ہمارے متکلمین کے ذہنوں کی پیداوار تھیں۔

(باقی)

تفسیر سورۃ الفیل (عربی)

اس کتاب کی ہر فصل ایک مستقل کتاب ہے۔ واقعہ فیل کی اصل حقیقت، اس کتاب کی اشاعت سے پہلے، بالکل مجہول تھی جس سے سورہ کی تفسیر میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں مولانا نے کلام عرب کی مدد سے واقعہ کی تمام تفصیلات فراہم کر کے تمام تاریخی غلطیوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ واقعہ طیر کو بھی عجائب پرستی نے بالکل دوسرا رنگ دیدیا تھا۔ مولانا نے اس واقعہ کے متعلق بھی عینی شاہدوں کی شہادتیں جمع کر کے اس کی اصل حقیقت آشکارا کر دی ہے اور اسی سلسلہ میں رمی جمرات اور حج کے دوسرے مراسم کے اسرار و حکم نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ کتابت و طباعت و کاغذ بہترین
قیمت: ۸/-

(منیجر)

Scanned by CamScanner

قرآن میں تکرار کی نوعیت

اور

قصۂ آدمؑ و شیطان

(۲)

(از مولوی ابو اللیث شبیر محمد صاحب اصلاحی، ندوی)

قصۂ آدمؑ و شیطان سورہ اعراف میں اس سورہ میں یہ قصہ چند ہی آیتوں کے بعد بیان ہوا ہے، اس لئے بظاہر یہاں اس کے ذکر کی غرض معلوم کرنے میں زیادہ دشواری نہیں۔ ماقبل کی آیتیں پیش نظر رکھئے۔ اس کا مقصدِ ذکر خود بخود واضح ہو جائیگا۔

اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو مخاطب کرکے فرماتا ہے:۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا
مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ ہ

تم پر تمھارے رب کی طرف سے جو اترا ہے اسی پر چلو اور اسکے سوا اور رفیقوں کے پیچھے نہ چلو تم بہت کم دھیان کرتے ہو

اور بصورت انکار و نافرمانی، ان کو عذاب کی دھمکی ان الفاظ میں دیتا ہے:۔

کَمْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا فَجَآءَھَا بَاْسُنَا بَیَاتًا
اَوْ ھُمْ قَآئِلُوْنَ ہ فَمَا کَانَ دَعْوٰھُمْ اِذْ جَآءَھُمْ
بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْآ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ ہ

اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں کہ پہنچا ان پر ہمارا عذاب راتوں رات یا دوپہر کو سوتے ہوئے پھر یہی تھی ان کی پکار جس وقت کہ پہنچا ان پر ہمارا عذاب کہ کہنے لگے بیشک ہمیں تھے گنہگار

اس دنیاوی عذاب کی دھمکی کے بعد قیامت کے عذاب کی دھمکی دیتا ہے:۔

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ الخ

سو ہم کو ضرور پوچھنا ہے ان سے جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے

اس عذاب دنیاوی و اخروی کی تہدید کے بعد اہل مکہ کو خطاب کرکے، اپنے انعامات خصوصی کو بیان کرتا ہے

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَائِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ

اور ہم نے تم کو زمین میں جگہ دی اور اس میں تمہارے لیے روزیاں مقرر کر دیں۔ تم بہت کم شکر کرتے ہو۔

اس آیت میں "ارض" سے مراد ارض مکہ اور "معایش" سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو اہل مکہ کو اس وادی غیر ذی زرع میں محض خدا کے فضل سے خانہ کعبہ کی بدولت حاصل تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی متعدد سورتوں میں اپنے انہی انعامات کو بیان کر کے اہل مکہ کو "رب البیت" کی عبادت کا حکم دیا ہے۔ یہاں بھی اہل مکہ کو مخاطب کر کے ان نعمتوں کو یاد دلایا اور اس پر اظہار تعجب کیا کہ ان نعمتوں کے بعد بھی تم خدا کو نہیں مانتے اور دوسروں کی عبادت کرتے ہو، یہ کتنی بڑی ناشکری ہے! قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ۔

اس کے بعد آدم کا قصہ اس طرح شروع ہوتا ہے:۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ

اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔

یہاں بھی "کم" سے خطاب ہے جس کی وجہ سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ اُسی غرض کے لئے بیان کیا گیا ہے جس غرض کے لئے تمکین فی الارض اور اس کے متعلقات کو بیان کیا یعنی دعوت شکر کے لئے۔ کیونکہ اس قصہ سے بھی انسان کے ایک بہت بڑے شرف کا اثبات ہوتا ہے۔ اس قصہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا۔ ان کو حسن صورت عطا کی، خلافت کی نعمت سے سرفراز فرمایا اور ان کو ملائکہ جیسی اشرف اور برتر مخلوق کا مسجود بنایا۔ پس جس طرح پہلی آیت میں تمکین فی الارض وغیرہ کو دعوت شکر کے لئے بیان کیا، اسی دعوت کے لئے، اس قصہ میں خلقت، خلافت اور تکریم کے شرف و نعمت کو بیان کیا۔ لیکن آدم کو پیدا کرنا اور خلافت اور سجدہ ملائکہ کے شرف سے ان کو سرفراز کرنا، ایک فرد کو پیدا کرنا اور اس شرف عظیم سے نوازنا نہ تھا بلکہ در اصل ان کی تخلیق عالم کی تخلیق تھی، ان کی تکریم تمام بنی نوع انسان کی تکریم تھی۔ اور ان کو منصب خلافت عطا کرنا تمام بنی آدم کو اس منصب جلیل پر فائز کرنا تھا اس لئے آدم کی خلقت، اور ان کی تکریم کو، عام

افرادِ انسانی کی خلقت و تکریم قرار دیتے ہوئے جمع کے صیغہ سے بیان فرمایا۔

لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس سورہ میں اس قصہ کے ذکر کا مقصد یہی ہے جو اوپر بیان ہوا ہے تو اس کے لئے وہ چند آیتیں کافی تھیں جن میں پیدائش اور ملائکہ کے سجدہ کا حال بیان ہوا ہے، واقعات مابعد مثلاً شیطان کا وسوسہ ڈالنا، اس کا ورغلانا، آدم کا ننگا ہونا اور ان کا جنت سے نکالا جانا وغیرہ کیوں بیان کئے گئے؟ ان واقعات کو تکریم یا انعام سے کیا واسطہ؟

اصل یہ ہے کہ قرآن میں قصے، استدلال یا تذکیر وغیرہ کے لئے بیان ہوتے ہیں لیکن قصہ کو بیان کرتے وقت، بقدر ضرورت و بمناسبت مقام قصہ کی وہ جزئیات بھی بیان کر دی جاتی ہیں جو اصل مدعا یا غرض کلام کے لئے مفید ہوتی ہیں۔ اگر آپ پہلے سورہ کے عمود، اس کے مخاطب اور قصہ کی غرض سے واقف ہو جائیں اور اس کے بعد غور کریں کہ اس قصہ میں کیا کیا باتیں بیان ہوئی ہیں اور ان کو قصہ کی اصل غرض سے کیا تعلق ہے تو آپ کو نظر آئے کہ ہر بات اپنی جگہ مفید اور ضروری ہے۔ ہمارے نزدیک یہ قصہ یہاں اظہار تکریم و بیان نعمت ہی کے سلسلہ میں مذکور ہے لیکن اس میں اہل مکہ کے لئے ایک دوسرے پہلو سے تذکیر بھی ہے۔ اسی تذکیر کیلئے دیگر جزئیات قصہ یہاں بیان کی گئیں، اس قصہ میں اہل مکہ کے لئے یہ تذکیر ہے کہ جس طرح حضرت آدمؑ اپنے عہد پر قائم نہ رہنے اور شیطان کے دھوکے میں پڑنے کی وجہ سے جنت کی تمام نعمتوں اور آسائشوں سے محروم ہو گئے، اسی طرح تم بھی اگر شیطان کی اتباع سے باز نہ آئے اور اس کا تسلط تم پر قائم رہا، تو ضرور تم خانہ کعبہ کی تولیت اور ان تمام نعمتوں سے محروم کر دئے جاؤ گے جو اس کی بدولت تم کو حاصل ہیں۔ اس قصہ کے بعد کی آیتوں میں، ان کے لئے شیطان کے غلبہ و تسلط کی چند مثالیں بھی بیان کر دیں۔ مثلاً دکھلایا کہ شیطان نے جس طرح آدم کو جنت میں ننگا کیا ٹھیک اسی طرح ان کو بھی اس جنت[۵] ارضی میں ننگا کر دیا ہے۔ یہ شیطان ہی کا اغوا ہے کہ یہ لوگ طواف عریاں کرتے ہیں اور یہ شیطان ہی کا فریب ہے کہ ان لوگوں نے بہت سی حلال

---

[۵] استاذ امام علامہ فراہیؒ نے تفسیر سورۃ کوثر میں ثابت کیا ہے کہ خانہ کعبہ مثال حوض کوثر ہے۔ (ا۔ ش)

اور طیب چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ اسی لئے اس قصہ کے بعد ہی ان کو یا بنی آدم کے خطاب کے ساتھ فرماتا ہے:۔

يَا بَنِيْ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْآتِكُمْ وَرِيْشًا... يَا بَنِيْ آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا الخ

اے آدم کی اولاد، ہم نے تم پر پوشاک اتاری جو تمہاری شرمگاہیں ڈھانکے اور آرائش کے کپڑے اتارے..... اے آدم کی اولاد شیطان تم کو نہ بہکائے جیسا کہ اس نے نکالدیا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے، اتروائے ان سے ان کے کپڑے۔

اور پھر یہ واضح کرنے کے بعد کہ شیطان ہی نے ان کو تحریم طیبات اور طواف عریاں پر آمادہ کیا، کہتا ہے:۔

يَا بَنِيْ آدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا...... قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ

اے آدم کی اولاد اپنی آرائش ہر نماز کے وقت لے لو اور کھاؤ اور پیو اور بیجا خرچ نہ کرو...... تو کہہ اللہ نے جو زینت اور کھانے کی ستھری چیزیں اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں ان کو کس نے حرام کیا ہے۔

ان آیتوں میں اگرچہ یا ایہا الناس اور یا ایہا الذین کفروا کے ساتھ بھی خطاب ہو سکتا تھا لیکن ہر جگہ یا بنی آدم ہی کے ساتھ خطاب کیا۔ اس خطاب میں جو بلاغت ہے وہ اہل ذوق پر مخفی نہیں۔ یہاں "اے آدم کے بیٹو" کہکر اللہ تعالے نے متنبہ فرمایا کہ جس شیطان نے تمہارے باپ کے ساتھ ایسی خوفناک دشمنی کی تعجب ہے اگر تم اس سے چوکنے رہنے کے بجائے اس کے فریبوں میں گرفتار ہو جاؤ اور اپنے پشتینی دشمن کی باتیں ایک غیر سگال ناصح کی طرح قبول کرو۔

قصہ آدم و شیطان سورۂ حجر میں | اس سورہ میں بھی اس قصہ کے ذکر کی غرض ذرا تامل کے بعد واضح ہو جاتی ہے۔ قصہ شروع ہونے سے پہلے یہ دو آیتیں ہیں:۔

وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِيْ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُوْنَ ه وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ

اور ہم ہی ہیں جلانے والے اور مارنے والے اور ہم ہی ہیں پیچھے رہنے والے۔ اور ہم نے جان رکھا ہے تم میں سے

Scanned by CamScanner

عَلِمْنَا الْمُسْتَاخِرِيْنَ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ — آگے بڑھنے والوں کو اور جان رکھا ہے پیچھے رہنے والوں کو۔ اور تیرا

اِنَّهُ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ — رب وہی ان کو اکھٹا کریگا۔ بیشک وہ حکمت والا اخبردار ہے۔

ان دو آیتوں کے بعد یہ قصہ اس طرح شروع ہوتا ہے:۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ — اور ہم نے آدمی کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے

مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ — پیدا کیا۔

پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ اس قصہ سے پہلے کی آیتوں کا مدعا کیا ہے۔ اسی سے اس قصہ کی بھی غرض واضح ہوگی۔ یہ ظاہر ہے کہ ماقبل کی آیتوں میں حشر کا اثبات ہے۔ قرآن میں عموماً حشر پر خدا کی صفت علم اور قدرت سے دلیل قایم کی جاتی ہے۔ مشرکین عرب کہا کرتے تھے:۔

اَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ — کیا جب ہم مرجائیں اور مٹی ہوجائیں؛ یہ پھرانا بہت دور ہے۔

ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ جب ہم سڑگل کر خاک میں مل جائیں گے تو اس وقت ہم کو زندہ کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ ان کے اس استبعاد کو جا بجا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر کرکے اس کا جواب دیا ہے۔ سورۃ قٓ میں بھی ان کے اسی شبہہ کے جواب میں کہا ہے:۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا — جتنا زمین ان میں سے گھٹاتی ہے، ہم کو معلوم ہے اور ہمارے

كِتَابٌ حَفِيْظٌ — پاس کتاب ہے جس میں سب کچھ موجود ہے۔

اور پھر اس کے بعد کہا:۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا اِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا — کیا اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھتے کیسا ہم نے اس کو بنایا اور رونق

وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ الخ — دی اور اس میں کوئی سوراخ نہیں۔

دیکھئے ان کے استبعاد کے جواب میں اپنی صفت علم و قدرت کو پیش کیا کہ تم اسے کیوں مستبعد خیال کرتے ہو کہ مرنے کے بعد تمھارے اجزائے جسم جمع کرلئے جائیں گے۔ ہمارا علم تو ایک ایک ذرہ کو محیط ہے۔ پھر تمھارے

منتشر شدہ اجزائے جسم کو جمع کر لینے میں ہم کو کیا دشواری ہے؟ اس کے بعد زمین و آسمان کی خلقت کو دکھلا کر واضح کیا کہ جب ان چیزوں کو پیدا کرنا ہماری قدرت میں ہے تو کیا مردہ ہونے کے بعد ہم تم کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتے"؟

الغرض قرآن میں انہی دو طریقوں سے عموماً قیامت پر دلیل قائم کی جاتی ہے۔ یہاں بھی مقصود قیامت ہی پر دلیل قائم کرنا تھا اس لئے حسب دستور پہلے اپنے علم کو دلیل میں پیش کیا۔

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ۔ ہم تمہارے اگلے پچھلے سب سے واقف ہیں اس لئے ہم پر ان کا جمع کرنا دشوار نہیں۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۔

اب اس کے بعد اپنی قدرت کو دکھلایا کہ دیکھو سڑی گلی مٹی سے ہم نے چلتا پھرتا انسان پیدا کر دیا۔ کیا ان کے سڑ گل جانے کے بعد ہم پھر انھیں زندہ نہیں کر سکتے۔

قیامت پر یہ دلیل قرآن کی اور دوسری سورتوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً سورہ یٰسین میں ہے:

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ	کیا انسان دیکھتا نہیں کہ ہم نے اس کو ایک قطرہ سے بنایا
فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ۔ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ	پھر بھی وہ جھگڑنے بولنے والا ہو گیا۔ اور بتلاتا ہے ہم پر ایک
نَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ	مثل اور اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ کہنے لگا ان ہڈیوں کو جو
قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ	کھوکھلی ہو گئیں کون زندہ کریگا۔ تو کہہ ان کو وہی زندہ کریگا
بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ الخ	جس نے ان کو پہلی بار بنایا اور وہ سب بنانا جانتا ہے۔

یہاں بھی ان کا وہی استبعاد اور جواب مذکور ہے جو اس سورہ میں ہے البتہ ترتیب بدلی ہوئی ہے۔

غرضیکہ اس سورہ میں یہ قصہ، قیامت کے سلسلہ میں اپنی قدرت کو نمایاں کرنے کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ قرآن کی سات سورتوں میں یہ قصہ بیان ہوا ہے لیکن سڑی مٹی سے پیدا کرنے کی تصریح کہیں نہیں ہے۔ اور سورتوں میں مٹی سے پیدا کرنے کا ذکر ہی نہیں (ہاں شیطان کی زبانی مذکور ہے) البتہ سورہ ص میں طین سے پیدا کرنیکا ذکر آیا ہے:۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ الخ　　جب تیرے رب نے فرشتوں کو کہا کہ میں مٹی کا ایک انسان بناتا ہوں الخ

لیکن سڑی مٹی کی تصریح یہاں بھی نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اور سورتوں میں اس قصہ کے ذکر کے وجوہ دوسرے ہیں لیکن یہاں مقصود اثبات قدرت ہے اور ظاہر ہے کہ سڑی مٹی سے انسان کو پیدا کرنا خالق کی قدرت پر زیادہ دال ہے اس لئے اظہار قدرت کے موقع پر اس کی تصریح کر دی۔

اس سورہ میں یہ قصہ اثبات قیامت کے سلسلہ میں بیان ہوا ہے اس لئے وہ تمام باتیں نظر انداز کر دیں جو دوسری سورتوں کے اس قصہ میں بیان ہوئی ہیں لیکن ان کا ذکر یہاں موقع و محل کے لحاظ سے مناسب نہ تھا یہاں صرف یہ بیان کیا کہ شیطان نے جب سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اس کو جنت سے نکل جانے کا حکم ہوا اس نے اس پر کہا:-

رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ　　اے رب جیسے تو نے میری راہ ماری، میں بھی ان سب کو زمین میں بہاریں دکھلاؤنگا اور سب کو راہ سے کھو دوں گا۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ　　جو میرے بندے ہیں تیرا ان پر کچھ زور نہیں۔ مگر جو تیری راہ چلا بہکے ہوؤں میں اور ان سب کا دوزخ پر وعدہ ہے۔

جہنم کے اس تذکرہ کے بعد اسی کا اور قیامت میں متقین کے اجر حسنہ وغیرہ کو کسی قدر بسط کے ساتھ بیان کیا۔ دیکھئے قیامت کا ذکر تھا درمیان میں قیامت ہی پر دلیل قائم کرنے کے لئے یہ طویل قصہ بیان کیا لیکن پھر کس خوبی کے ساتھ اس کو قیامت ہی کے بیان پر اس خوبی کے ساتھ ختم کیا کہ دوزخ تک اس کے احوال بیان کرنے کے لئے بہترین تمہید کا کام دے، شعراء کے کلام میں گریز کی بہترین مثالیں آپ نے دیکھی ہوں گی لیکن خدا

سے کے کلام میں جو بات ہے وہ بشر کے کلام میں کہاں پائی جا سکتی ہے۔

قصۂ آدمؑ و شیطان سورہ اسراء میں بعض مشہور مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ قصہ یہاں آنحضور صلعم کی تسلی کے لئے بیان ہوا ہے کہ دیکھو سب سے پہلے نبی کو بھی شیطان کی طرف سے بہت اذیتیں اٹھانی پڑیں اس لئے تم اپنی قوم کی اذیتوں پر صبر کرو۔ لیکن یہاں یہ بات بالکل بے جوڑ اور سیاق و سباق کے بالکل مخالف ہے۔ و نیز قصہ کے الفاظ اور عبارت سے کسی طرح اس کی طرف رہنمائی نہیں ہوتی۔ اور سورتوں میں تو اس قصہ میں یہ بھی دکھلایا گیا ہے کہ شیطان نے کس طرح آدمؑ کو بہکایا، ان کو ننگا کیا اور جنت سے نکالا وغیرہ وغیرہ مگر یہاں ان چیزوں کا مطلق ذکر نہیں کہ کہا جائے کہ ان واقعات کو مشرکین کی اذیتوں کے مقابلہ میں صبر و تسلی کے لئے بیان کیا گیا ہے۔ یہاں ہر جگہ سے زیادہ اختصار کے ساتھ صرف یہ بیان کیا گیا کہ شیطان کو سجدہ کا حکم ہوا اس نے انکار کیا اور گستاخانہ اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میں اپنے بس بھر تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا اللہ تعالیٰ نے جواب میں کہا جاؤ جس طرح تجھسے ہو سکے گمراہ کر میں تجھکو اور تیرے اتباع کو جہنم میں ڈال دونگا۔

قصہ میں کل اتنی ہی باتیں بیان ہوئی ہیں۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ ان باتوں کو غرض مذکورہ سے کیا تعلق!

ہمارے نزدیک یہاں اس قصہ کے ذکر کی غرض مشرکین عرب کے طغیان اور استکبار کے انجام بد کو دکھلانا ہے۔ اوپر کی آیت میں سخت انذار و دعوت کے بعد کہا ہے:-

وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا — اور ہم ان کو ڈراتے ہیں لیکن ہمارا ڈرانا انکی سرکشی کو اور زیادہ کرتا ہے۔

اسی آیت کے بعد یہ قصہ یوں شروع ہوتا ہے:-

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ الخ — اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔

ماقبل کی آیت کو پیش نظر رکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ طغیان ہی کے انجام بد کو دکھلانے کے لئے یہاں یہ قصہ بیان ہوا۔ اس کی تائید قصہ کی عبارت سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اور سورتوں میں قصہ

Scanned by CamScanner

کی ابتدا میں پہلے آدمؑ کے پیدا کرنیکا ارادہ یا ان کو مٹی سے پیدا کرنیکا ذکر ہوتا ہے لیکن یہاں ان باتوں کا تذکرہ چھوڑ کر اس طرح اس قصہ کی ابتدا کی :- وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ الخ

یہاں سجدہ کے حکم اور شیطان کے متکبرانہ انکار ہی سے قصہ کو شروع کیا کیونکہ یہاں مقصود، شیطان کے استکبار کا نتیجہ دکھلانا تھا اس کے لئے آدمؑ کی پیدائش وغیرہ کا تذکرہ بے سود تھا۔ پھر یہاں اس قصہ میں غرض کلام کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان تمام واقعات کو چھوڑ کر جو اس سلسلہ میں پیش آئے صرف یہ بیان کیا کہ شیطان نے اسی روز ٹھانی تھی کہ بنی آدم کو فریب وعدوں اور دوسرے ممکن طریقوں سے گمراہ کروں گا۔ اس کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ اِلَّا غُرُوْرًا — اور شیطان ان لوگوں سے جتنے وعدے کرتا ہے سب دھوکے ہی ہوتے ہیں

استکبار کے انجام کو دکھانے کے لئے یہ قصہ بیان کیا گیا تھا لیکن قصہ میں یہ بھی بیان کر دیا کہ ان کی اس حالت کا سبب شیطان ہے۔ دیکھیے قصہ کی ابتدا اور انتہا دونوں موضوع کلام کے اعتبار سے کتنے مناسب اور برمحل ہیں (باقی)

تفسیر سورہ اخلاص (اردو)

استاذ امام علامہ فراہیؒ نے سورہ اخلاص کی تفسیر اردو میں لکھی ہے۔ اس سورہ کی، ہر دور میں بیشمار تفسیریں لکھی گئیں لیکن اہل نظر نے اعتراف کیا ہے کہ علامہ فراہیؒ کی تفسیر میں جو نکتے بیان ہوئے ہیں ان سے تمام تفسیریں خالی ہیں۔ کتابت وطباعت بہترین کاغذ نہایت عمدہ قیمت :- ۳ر

منیجر

مذاکرہ

حافظوا علی الصلوٰت الآیۃ
کا
تعلق ماقبل ومابعد سے

از

جناب مولوی اختر احسن صاحب اصلاحی

قرآن مجید کے ایک طالب العلم شولاپور سے لکھتے ہیں:-

مکرمی! تسلیم

میں نظم قرآن معلوم کرنیکا بہت شائق ہوں اور اسی لیے حضرت مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کا برابر مطالعہ کرتا رہتا ہوں، انہی اصولوں کے مطابق تلاوت کے وقت نظم قرآن پر غور کرتا ہوں مجھے بہت سی باتیں پوچھنی ہیں لیکن فی الحال ایک آیت کے متعلق تشفی چاہتا ہوں۔

سورہ بقرہ کی آیت حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ کا ماسبق وما بعد سے کیا تعلق ہے؟ اوپر کی آیات میں احکام طلاق بیان ہوئے ہیں اور نیچے کی آیات میں ان عورتوں کے احکام جن کے شوہر مرچکے ہیں۔ ان مسائل کے بیچ میں نماز خصوصاً صلاۃ الخوف کے ذکر کا کیا محل تھا؟

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا ماسبق اور مابعد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ اور اسی قسم کی دوسری آیات نظم قرآن کے خلاف بطور دلیل پیش کی جاتی ہیں لیکن غور وفکر کے بعد اس کا نظم بالکل واضح ہوجاتا ہے

پوری سورہ بقرہ اپنے نظم کے اعتبار سے بالکل واضح اور صاف ہے۔ گو بظاہر بے جوڑ اور غیر مرتب اجزا پر مشتمل معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں اسوقت پوری سورہ کے نظم پر بحث نہیں کرنی ہے۔ پوری سورہ کا نظم معلوم کرنے کے لئے استاذ امام علامہ فراہیؒ کے مقدمہ تفسیر سورۂ بقرہ کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اس میں آیت مسئول عنہا کے متعلق بھی سیر حاصل بحث ملیگی۔ ہم صرف چند ضروری اشارات پر اکتفا کرینگے جو امید ہے کہ اس سوال کے حل کرنے میں مدد دینگے مسئلہ زیر بحث کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ مجمل خاکہ، مضامین سورہ کا، شروع سے لیکر آیت مسئول عنہا تک، سامنے رکھا جائے۔

یہ سورہ اثبات نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے، اس لئے اس کے مضامین ٹھیک ٹھیک اس دعا کے مطابق ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے، بیت اللہ کی تعمیر کے وقت فرمائی تھی،

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ

اے ہمارے پروردگار ان میں ایک رسول انھیں میں سے بھیج جو تیری آیتیں پڑھکر سنائے اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاک کرے

اس دعا میں چار اوصاف اس رسول کے بیان کئے گئے ہیں جسکی بعثت کی دعا کی گئی ہے (۱) تلاوت آیات (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیۂ نفس۔

اس مقام پر اس امر کی طرف اشارہ کردینا ضروری ہے کہ یہاں اس دعا میں تزکیۂ نفس، تعلیم کتاب و حکمت سے موخر ہے۔ حالانکہ دیگر مواقع میں مقدم ہے۔ سورہ جمعہ میں ہے

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

وہ خدا جس نے امیوں کے اندر انہیں کا ایک رسول بھیجا جو انھیں اسکی آیتیں پڑھکر سناتا ہے اور ان کا تزکیۂ نفس کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تزکیہ اصل مقصود ہے۔ اور اصل مقصود اگرچہ عمل میں موخر ہوتا ہے لیکن ارادہ میں مقدم ہوتا ہے۔ پس ایک جگہ بلحاظ ارادہ و مقصد، مقدم رکھا اور دوسری جگہ باعتبار عمل موخر۔ ایک ڈاکٹر ایک

Scanned by CamScanner

مریض پر آپریشن کرتا ہے اس کا مقصود صحت ہے جو ارادہ اور نیت میں اولین اور مقدم ترین شے ہے لیکن عمل میں جراحی کا نشتر اور قطع و برید کے آلات سب سے پہلے نظر آتے ہیں۔ یہی حال تزکیہ کا ہے۔ وہ نیت کے لحاظ سے مقدم مگر عمل کے لحاظ سے موخر ہے پس قرآن نے دوسری آیتوں میں محض اس کے نظم کی تبدیلی سے اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا فافہم۔ اس سورہ کی ترتیب ٹھیک ٹھیک مذکورہ بالا اوصاف کے مطابق ہے۔ باب اول تلاوت آیات میں ہے اس باب میں اثبات محمد صلعم کے دلائل ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن ایک آسمانی کتاب ہے جو مخلوق کی ہدایت اور فلاح کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اور اس عہد الٰہی کا ظہور ہے جو آج سے نہیں بلکہ حضرت آدمؑ کے وقت سے چلا آتا ہے

اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ	اگر تمھارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت آئے تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے تو نہ ان کیلئے کوئی ڈر ہوگا اور نہ غمگین ہونگے

پھر بنی اسرائیل سے خطاب ہے جس میں انھیں وہ عہد یاد دلایا گیا ہے جو حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ ان سے لیا گیا تھا۔ اور جس کی رو سے اس قرآن اور نبوت کو ماننا ضروری تھا۔ پھر ان کے نقض عہد کی ایک مسلسل داستان ہے اس کے بعد جدید عہد کا ذکر ہے جس کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی اور جس کے مطابق ایک نئی امت کی تعمیر ہوئی۔ یہ باب سورہ کی ابتدا سے لیکر آیت ۱۵۱ تک ہے۔

آیت "فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنِ" (۱۵۲) (سو تم مجھے یاد رکھو میں بھی تمھیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو) خاتمہ باب کی آیت ہے۔ اس میں اس عہد کا ذکر ہے جو اس نئی امت یعنی امت مسلمہ سے لیا گیا ہے۔ اس عہد کو دو لفظوں ذکر، شکر سے تعبیر کیا ہے۔ اس لئے کہ یہی تمام احکام و شریعت کے اصل ہیں۔

اس کے بعد تزکیہ کا آغاز ہوتا ہے اور اسکی ابتدا "وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ" (۱۵۳) سے ہوتی ہے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ تزکیہ اصل مقصود ہے۔ اس لئے اس کا تعلق تمام شریعت سے ہے

Scanned by CamScanner

خواہ ایمانیات ہوں یا عبادات، شرائع ہوں یا اخلاقیات۔ مگر چونکہ اس باب میں ان عبادتوں کا ذکر ہے جنکا تعلق جوارح سے زیادہ قلب سے ہے اور قلب کی اصلاح تزکیہ کی راہ میں پہلا قدم ہے کیونکہ قلب کی درستگی پر تمام اعمال کی صحت موقوف ہے، اس لئے یہ باب مستقل طور پر تزکیہ سے متعلق ہوگیا۔

اس باب کی ابتدا نماز سے اس لئے کی گئی کہ نماز تمام احکام و عبادات کی جامع ہے۔ اور ذکر و شکر کی عملی تصویر یہ باب آیت (۱۷۶) پر ختم ہوتا ہے۔

(۱۷۷) سے باب الشرائع شروع ہوتا ہے، اس باب میں ان قوانین کا ذکر ہے جو سیاست مدن اور تدبیر منزل سے متعلق ہیں۔ یہ باب آیت ۲۳۷ پر ختم ہوجاتا ہے، اس کے بعد وہ دونوں آیتیں ہیں جنکی بابت دریافت کیا گیا ہے۔ یہ دونوں آیات (۲۳۸ - ۲۳۹) خاتمۂ باب ہیں۔ ان دونوں آیتوں میں نماز کا ذکر ہے یہ وہی نماز ہے جسکا ذکر دوسرے باب کے آغاز میں ہوا تھا۔ قرآن میں اس کی مثالیں بکثرت ہیں کہ ایک بیان کا آغاز جس چیز سے ہو اسی پر اسکا اختتام بھی ہو لیکن ہم بخوف طوالت صرف چند مثالوں پر اکتفا کریں گے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیات (۲۲ - ۳۹) پر غور کیجئے۔ ابتدا میں توحید کا ذکر تھا اور توحید ہی پر ختم کیا۔ اسی طرح سورہ معارج کی آیات (۲۳ - ۳۴) میں نماز سے ابتدا کی، پھر چند احکام بیان کرکے نماز ہی پر ختم کیا۔ بالکل یہی اسلوب سورہ مومنون کے شروع میں بھی ہے۔ توراۃ میں بھی کتاب خروج باب ۲۰ میں جہاں احکام عشرہ کا بیان ہے اول اور آخر دونوں جگہ توحید کا ذکر ہے۔

اس اسلوب کے اختیار کرنیکی وجہ ظاہر ہے کہ نماز ہی اصل ہے اور تمام عبادات و شرائع اس کی فروع ہیں۔ نماز ایک دائرہ ہے جو ان سب کو محیط ہے، اسی ایک نماز کے ترک سے تمام اصول دین اور تمام شرائع کی دیواریں ڈھ جائیں گی۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد بھی اس پر شاہد ہے۔ ان اہم امورکم عندی الصّلوٰۃ من حفظها او حافظ علیها حفظ دینه ومن ضیعها فهو لما سواها اضیع (تمھارے تمام معاملات میں میرے نزدیک اہم نماز ہے جو اسکی حفاظت اور نگہداشت کریگا وہ اپنے پورے دین کی نگہداشت کریگا اور جو اسے ضائع کریگا وہ بقیہ امور

کو بدرجہ اولیٰ ضائع کریگا) اس نکتہ کی طرف اس سے بھی اشارہ ہوتا ہے کہ ان تمام مواقع پر جہاں نماز بطور خاتمہ کے ہے اس کے لئے محافظت کے صیغے مستعمل ہوتے ہیں جب نماز اسقدر ضروری چیز قرار پائی کہ اس کی حفاظت پر تمام شریعت کا بقا ہے تو اس کا ترک کسی حال میں جائز نہیں حتیٰ کہ لڑائی وخوف کی حالت میں بھی نہیں۔ البتہ ان حالات میں صرف ذکر پر اکتفا کیا جائیگا جو اس کی روح ہے اور ظاہری شکل باقی نہ رہے گی اسی لئے آیت حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ الخ کے بعد فرمایا۔ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔

باقی رہا یہ سوال کہ احکام کی وہ آیتیں، (۲۴۰-۲۴۲) جو نماز والی آیت کے بعد ہیں کس آیت سے متعلق ہیں تو ان کا تعلق اسی باب الشرائع سے ہے لیکن چونکہ یہ آیتیں اپنے ماسبق تشریعی آیات کی تبیین کیلئے نازل ہوئی ہیں۔ اس لئے انھیں اس باب کی آیات سے الگ رکھا گیا اور بیچ میں خاتمہ کی آیت رکھدی گئی تاکہ باب کی اصل آیات اور ملحق آیات میں تمیز ہو سکے۔ اسی قسم کی آیتوں کو آیات مبینہ کہتے ہیں۔ یہی وہ آیات ہیں جنکی بابت خدا نے سورہ قیٰمہ میں وعدہ فرمایا ہے " ان علینا بیانہ"۔ ان آیات سے کسی حکم کی تعمیم تخصیص تکمیل تخفیف اور رفع تنگی مقصود ہوتی ہے۔ یہ آیتیں بعض جگہوں میں اسی آیت کے پہلو میں رکھی گئی ہیں جسکا بیان واقع ہوئی ہیں۔ جیسے سورہ انفال کی یہ آیت ہے " الآن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا" اور بعض مواقع پر سورہ کے آخر میں انھیں جگہ دی گئی ہے، مثلاً سورہ نساء کی آخری آیت " یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ" الخ اس کی بارہویں آیت " وان کان رجل یورث کلالۃ" الخ کا بیان واقع ہے مگر اسے آخر میں رکھا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ مزمل کے آخر میں بھی آیت مبینہ ہے جس سے اس کے ابتدائی احکام کی تخفیف مقصود ہے۔ قرآن میں آیات مبینہ کثرت سے ہیں۔ بعض مواقع پر ان کے آخر میں تبیین کے الفاظ بھی آجاتے ہیں جن سے وہ آسانی سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ جو آیت ہمارے بحث سے متعلق ہے اسی کے آخر میں ہے " کذلک یبین اللہ لکم آیاتہ لعلکم تعقلون" اس طرح سورہ نساء کی آخری آیت میں ہے " یبین اللہ لکم ان تضلوا۔ اسی طرح سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۷ " احل لکم لیلۃ الصیام الرفث"... کے آخر میں ہے کذلک یبین اللہ آیاتہ للناس لعلھم یتقون۔

مذکورہ بالا مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت حافظوا علی الصلوات خاتمہ کی آیت ہے جو باب الشرائع کے آخر میں رکھی گئی ہے اس سے مقصود نماز کی اہمیت اور اس کی ایک عالمگیر ضرورت کا اظہار ہے اس کے بعد والی آیت بھی نماز کی تاکید اور اہمیت ہی کو ظاہر کرتی ہے اس لئے اسکا کسی حال میں ترک جائز نہیں۔ حتی کہ خوف کے موقع پر بھی ان دونوں آیتوں کے بعد جو آیات ہیں وہ آیات مبینہ ہیں اس لئے باب کی آیت سے الگ رکھی گئی ہیں۔

مولانا عبد الماجد دریابادی مدظلہ میدان صحافت میں

آپ کا ذاتی اخبار

"سچ" کے بجائے "صدق"

یکم مئی ۳۵ء سے $\frac{۲۷ \times ۱۷}{۴}$ ۲۰ پونڈ سفید چکنے کاغذ پر ہر ہفتہ کی یکم۔ گیارہ اور اکیس کو شائع ہوتا ہے ہم کو معلوم ہے کہ وہ صاحب ذوق حضرات جو مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کے طرز انشاء کے عاشق ہیں اور آپ کے مخصوص دلنشین طرز صحافت کے لئے آپکے اخبار سچ کے بند ہونے کے بعد سے بیتاب تھے اس مژدہ کو صحیح معنوں میں مژدہ سمجھیں گے لیکن چونکہ ہمارے پاس اخبار سچ کے خریداروں کی مکمل فہرست موجود نہیں ہے اس وجہ سے ہم فرداً فرداً خریداران سچ کو نمونہ نہ روانہ کر سکے۔ لہذا شائقین حضرات اپنا اپنا چندہ قیمتی چار روپیہ جلد از جلد روانہ فرما کر خریداران رجسٹر میں اپنا نام درج کرلیں ورنہ بعد کو پچھلے پرچہ دستیاب نہ ہونے پر پچھتانا پڑیگا۔ "صدق" بہ اعتبار "سچ" سے بڑھا ہوا ہے معنوی حیثیت سے مضامین قرآنی کا اضافہ۔

سالانہ چندہ للعہ

ترسیل زر بنام منیجر اخبار "صدق" نمبر ۴۲ ہیوٹ روڈ لکھنؤ

Scanned by CamScanner

موعظۂ حسنہ

نماز

۴

از امین احسن اصلاحی

یہ بات اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی فرما دی تھی۔ ان کو جب امامت و سیادت کی عزت حاصل ہوئی انھوں نے چاہا کہ یہ عزت انکی اولاد کو بھی حاصل رہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ چیز تمہاری اولاد کے لئے عام نہ ہوگی، صرف ان کے لئے مخصوص ہوگی جو دین کی تعلیمات اور شریعت کے احکام دا دار پر قائم رہینگے۔ اللہ تعالیٰ ان کو عزت و شوکت اور حکومت و سیادت بخشے گا اور جو عہد تم سے باندھا جا رہا ہے اس کی برکتوں سے وہ بھی متمتع ہوں گے۔ پر جو خدا کے عہد کو توڑ دینگے اور پیغمبروں کی سکھائی ہوئی نیکیوں اور سچائیوں کو فراموش کر کے نفس و شیطان کی پیروی کرنے لگیں گے۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس سے قہر و غضب کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ○

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں ابراہیم نے کہا اور میری اولاد کو؟ فرمایا میرا یہ عہد ظالموں کو شامل نہیں۔

پس جب اہل مکہ نے توحید و نماز کو ضائع کر کے وراثت ابراہیمی کا استحقاق کھو دیا اور ایک دوسری جماعت اہلیت و صلاحیت کی تمام خوبیوں سے آراستہ ہو کر نمودار ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی کلید، جو درحقیقت تمام اقوام و امم کی سرداری کی کلید تھی، ان سے چھین کر اس اہل اور صالح جماعت کو بخشدی۔ یہ اس سنت الٰہیہ کا ظہور تھا جس کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ

اگر تم اللہ سے منہ موڑ لوگے، وہ تمہاری جگہ دوسری قوم اٹھا کھڑی کریگا پھر وہ تمہاری طرح نہ ہوگی۔

یہ اہل و صالح جماعت ان لوگوں کی جماعت تھی جو آنحضرت صلعم کی دعوت پر ایمان لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی پاسبانی کی عزت سے ان کو نوازا اور ساتھ ہی ساتھ ان سے عہد لیا کہ اس کے بنیادی مقصد نماز کو فراموش نہ کریں گے ورنہ جس طرح یہ امانت دوسروں سے چھین کر ان کو بخشی گئی ہے، اسی طرح ان سے چھین کر دوسروں کو بخشدی جائے گی۔ چنانچہ فرمایا:۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ہم نے تم کو بخشا کوثر پس اپنے رب کی نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

استاذ امامؒ نے سورہ کوثر کی تفسیر میں، پوری تفصیل کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ "کوثر" سے مراد خانہ کعبہ ہے۔ یہاں اسکی تفصیلات میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اس نکتہ کو ملحوظ رکھنا چاہئے کہ خانہ کعبہ کی تفویض کے اعلان کے ساتھ مسلمانوں سے جو سب سے پہلا عہد لیا گیا وہ نماز اور قربانی[1] کا تھا۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ تھا کہ یہی دو چیزیں اس نعمت کے بقا کی ضامن ہیں۔ جب تک ان کا اہتمام قائم رہیگا یہ نعمت اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی تمام نعمتیں حاصل رہیں گی جب یہ فراموش ہو جائینگی اس گھر کی تولیت اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تمام نعمتیں چھن جائیں گی۔

تفسیر سورہ کوثر میں فصل لربک وانحر کی تفسیر کرتے ہوئے استاذ امامؒ نے جا بجا اس حقیقت کی طرف اشارات کئے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو کوثر کے عطیہ کی بشارت دینے کے بعد دو باتوں کا حکم دیا۔ نماز۔ قربانی اور امر کے صیغہ پر تعقیب کی فَ داخل کی جو سابق و لاحق یعنی عطیہ اور حکم کے درمیان تعلق اور نسبت کی دلیل ہے"۔

"اس حکم میں اس بخشش کا اصل مقصود پنہاں ہے کیونکہ یہ ایک بہت بڑے مقصد کیلئے تھی چنانچہ فرمایا ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ جو اگر ہم ان کو زمین میں غلبہ دیں، نماز قائم کرینگے زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم کریں گے منکر سے روکیں گے۔

---

[1] نماز کے ساتھ عموماً زکوٰۃ کا حکم شامل ہوتا ہے۔ یہاں موقع حج کے لحاظ سے قربانی کا حکم ہے (ا۔ ن)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی فرمایا ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ	اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میں سے اس بن کھیتی
زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا	کی زمین میں، تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسایا ہے
الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ	اے پروردگار اس لئے کہ یہ نماز قائم کریں۔ پس تو یوں
تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ	کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا، اپنے قدیم وطن سے ہجرت کر کے، ایک بے آب وگیاہ سرزمین میں بسنا محض اس لئے تھا کہ اللہ واحد کی عبادت کا ایک مرکز تعمیر ہو جو لوگوں کی عقیدت و انابت، سعی وطواف اور نذر و نیاز کا قبلہ ہو، اور جس طرح غلام اپنے آقا کی ڈیوڑھی پر گوش بر آواز، سرگرم عمل رہتے ہیں، اسی طرح لوگ اس گھر کی طرف، لبیک لبیک لا شریک لک لبیک، کہتے ہوئے دوڑیں۔"

اسی سلسلہ میں کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں۔

"اس سے معلوم ہوا کہ اس گھر (بیت اللہ) کی تعمیر نہایت عظیم الشان مقاصد کیلئے ہوئی ہے اور خدا نے انھیں مقاصد کی تکمیل کیلیے ان کو (مسلمانوں کو) اس پر قبضہ دیا ہے۔ ان مقاصد کا لب لباب دو چیزیں ہیں۔ نماز، قربانی پس اس عطیہ کے ذکر کے بعد ان دونوں کا ذکر کر دیا کہ یہ واضح ہو جائے کہ یہ عطیہ یوں ہی نہیں مل رہا ہے بلکہ اس کے کچھ حقوق و فرائض ہیں جنکا اہتمام اصلی مقصود ہے۔ یہ گویا بقائے حقوق کے عام اور معروف قانون کے مطابق ایک مسلم حق کا اظہار کیا گیا کیونکہ کوئی عطیہ بغیر کسی فرض کی ذمہ داری کے نہیں ملتا۔ جب ہم کچھ لیتے ہیں تو لا محالہ کچھ کچھ دینے کے لئے بھی آمادہ رہنا چاہیے۔"

اس عطیہ اور فرض کے تعمیم کے پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

پس نماز اور قربانی کا حکم تمام امت کے لئے عام ہوا کیونکہ یہ نعمت بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے لئے عام تھی۔ پیغمبر امت کا وکیل ہوتا ہے اسلئے جو کچھ اس کو ملتا ہے، اس میں امت بھی شریک ہوتی ہے.... پس یہاں

نماز اور قربانی کا حکم عام ہے۔ یہ بات سیاق کلام سے ظاہر ہے جب کوئی عبادت کسی عطیہ کے ساتھ مخصوص کی گئی تو معلوم ہوا کہ اسکی پابندی ہی اس نعمت کے بقار کی ضامن ہوسکتی ہے۔ آیت ذیل اس قانون الٰہی کیطرف اشارہ کررہی ہے

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ — اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ اپنے معاملہ کو نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت میں تبدیلی نہ کرے۔

یہاں جیساکہ سیاق سے ظاہر ہے حج اور اس کے دوسرے آداب و مراسم کا حکم دیا گیا ہے۔ گویا یوں فرمایا کہ "ہم نے تم کو کوثر بخشا، پس اس کے حقوق ادا کرو کہ یہ نعمت تمہارے لئے باقی رہے۔"

اس عہد کی مزید تشریح فرماتے ہیں

"یہ اس عہد کا بیان ہے جس کی ذمہ داری، خدا کے عطیہ کے بعد، از خود ہم پر عائد ہو جاتی ہے کیونکہ نماز اور قربانی کے حکم کو خدا نے اپنے عطیہ کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ اس لئے جب ہم نے اس کا عطیہ قبول کرلیا تو اس حکم کو بھی اپنے اوپر واجب کرلیا پس جب تک اس عہد پر قایم رہیں گے یہ عطیہ بھی ہمارے لئے باقی رہیگا۔ یہ بالکل اسی طرح کا معاملہ ہے جیسا آدم و حوا کے ساتھ ہوا تھا۔ خدا نے ان کو جنت میں سکونت اور ہر نعمت سے آزادانہ تمتع کی اجازت دی لیکن ایک مخصوص درخت کے پاس جانے کی ممانعت کردی۔ جب انھوں نے اس کے بخشے ہوئے عطیہ کو قبول کرلیا تو ان پر یہ عہد بھی خود بخود واجب ہوگیا۔ چنانچہ قرآن پاک میں اس کو عہد ہی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

وَلَقَدْ عَہِدْنَا اِلٰی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا — اور ہم نے اس سے پہلے آدم سے ایک عہد لیا لیکن وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں ارادہ کی پختگی نہیں پائی۔

چنانچہ یہ عطیہ اسی وقت تک باقی رہا جب تک وہ دونوں اپنے عہد پر قائم رہے۔"

تولیت کعبہ کی تفویض کے وقت جس طرح مسلمانوں کو نماز کا حکم ہوا اسی طرح یہود کو بھی ارض مقدس کی تفویض کے وقت نماز کا حکم ہوا

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا ھٰذِہِ الْقَرْیَۃَ فَکُلُوْا مِنْھَا — اور یاد کرو جب ہم نے کہا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور جہاں

Scanned by CamScanner

حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

چاہو آزادی و فارغ البالی سے کھاؤ اور معبد کے دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو کہ اے پروردگار ہمارے گناہ بخشدے ہم تمھارے گناہ بخشدینگے اور محسنین کے لئے ہمارا فضل اس سے بھی زیادہ ہوگا

لیکن یہود جیسا کہ ہم اوپر تفصیل سے لکھ چکے ہیں، اس عہد کو بھول گئے بلکہ انھوں نے، شرارت سے، دعا کے الفاظ میں ایسی تبدیلی کر دی جس سے اس کی حقیقت بالکل مسخ ہو گئی۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ

پس ظالموں نے، اس قول کی جگہ پر جو ان کو سکھایا گیا تھا دوسرا قول رکھدیا تو ہم نے ان ظالموں پر ان کے فسق کی پاداش میں آسمان سے عذاب نازل کیا۔

اس عہد شکنی پر یہود کو بار بار تنبیہیں ہوئیں جن کی تفصیلات توراۃ اور قرآن مجید میں مذکور ہیں، لیکن یہود کی قساوت اس درجہ سخت و شدید تھی کہ ان تنبیہات کے باوجود ان کو اصلاح حال کی توفیق نہ ہوئی اور اگر ہوئی تو اس کا اثر بالکل عارضی ہوا، کچھ ہی دنوں کے بعد غفلت و نسیان کی وہی خود فراموشی اور ناعاقبت اندیشی ان پر پھر طاری ہو گئی، یہانتک کہ انکی پشت غفلت کیلئے خدا کا آخری تازیانہ نمودار ہوا جس نے انکی ریڑھ کی ہڈی تک توڑ دی۔ قرآن مجید اور اسفار یہود میں اس کی تفصیلات طولانی ہیں اور اہل نظر سے مخفی نہیں۔ یہاں سورہ بنی اسرائیل سے چند اشارات نقل کئے جاتے ہیں:۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ (۵ بنی اسرائیل)

اور ہم نے بنی اسرائیل سے تورات میں صاف کہدیا تھا کہ تم زمین میں ضرور دو مرتبہ فساد کروگے اور بہت سرکش ہو جاؤگے۔ پس جب ان فسادوں میں سے پہلے فساد کا وقت آیا تو ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دئے جو نہایت سخت گیر تھے۔ وہ تمھارے شہروں کے اندر پھیل گئے اور خدا کا وعدہ حتمی تھا

Scanned by CamScanner

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا

(۷ بنی اسرائیل)

پھر جب دوسرے فساد کا وقت آیا تو پھر ہم نے دوسرے بندوں کو اٹھا کھڑا کیا کہ تمہارے منہ بگاڑ دیں اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد بیت المقدس میں گھسے تھے اسی طرح اس دفعہ پھر اس میں گھسیں اور جس چیز پر قابو پائیں توڑ پھوڑ اسکا ستیاناس کر دیں

افسوس ہے کہ ٹھیک ٹھیک یہی حالت، جیسا کہ بعض احادیث میں پیشینگوئی کی گئی تھی، مسلمانوں کو پیش آئی۔ خانہ کعبہ کی تفویض کے وقت، جو درحقیقت تمام دنیا کی حکومت وسیادت کی تفویض کا دیباچہ تھی، مسلمانوں سے جو نماز کا عہد لیا گیا تھا کچھ دنوں بعد، آہستہ آہستہ انھوں نے فراموش کر دیا اور بتدریج نوبت یہاں تک پہنچی کہ یا تو اگلی امتوں کی طرح، مسلمانوں کے اندر سے نماز بالکل اٹھ گئی یا باقی رہی تو اس کو نماز کی اصلی ہیئت اور حقیقت سے کوئی لگاؤ نہیں رہ گیا ہے۔ اور جن لوگوں نے مسلمانوں کی تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ اعتراف کریں گے کہ مسلمانوں کے اندر جب تک نماز کی حقیقت محفوظ رہی، ان کے قدم برابر ترقی کی راہوں میں بڑھتے رہے لیکن جوں جوں ان کے دل اور دلوں کے ساتھ مسجدیں ویران ہوتی گئیں ان کی پھیلی ہوئی عظمت سمٹنی شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ جس طرح رومیوں اور ایرانیوں نے یہود کو تاراج کر دیا، اسی طرح نصاریٰ نے مسلمانوں کی تمام سطوت پارہ پارہ کر ڈالی۔

(باقی)

Scanned by CamScanner

مقالات

اسلام اور غیر مسلم اقوام

۲

از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز بی اے

اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں نے دنیا میں حکومت بھی کی، ان کی سلطنت بھی قائم ہوئی، لیکن جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اسلام محض تارک الدنیا راہبوں کا مذہب نہیں۔ اس کے ہاں دین و دنیا دونوں کی باعزت زندگی کا نام مذہب ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری بادشاہت زمین پر نہیں آسمان پر ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کبھی کسی عیسائی قوم نے جناب مسیحؑ کی تعلیم کے اس ٹکڑہ کو سامنے بھی رکھا؟ ان کی عملی زندگی میں یہ اصول کبھی راہنما بھی بن سکا؟ تاریخ عیسائیت میں کونسا وقت ایسا آیا کہ انھوں نے زمین کی بادشاہت کو چھوڑ کر آسمان کی بادشاہت کو اپنا مطمح نگاہ رکھا ہو؟ جن لڑائیوں کو آجتک مقدس شمار کیا جاتا ہے وہ اسی زمین کی بادشاہت کے لئے تھیں یا آسمان کی بادشاہت کے لئے؟ پھر اگر یہ صحیح ہے کہ یہ تعلیم محض نظری ہی تھی عملی نہ تھی تو اسلام کے خلاف یہ الزام کیسا کہ اس نے دنیا میں سلطنت و حکومت کیوں قائم کی۔ اور اگر کسی جماعت نے دنیا میں ایسے وقت میں جبکہ ان کی قوتیں سلب ہو چکی ہوں ایسا دعویٰ بھی کیا کہ وہ دنیاوی حکومت کے خواہشمند نہیں تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی اندھا اپنے تقدس کے لئے کہتا پھرے کہ میں نے کسی کی طرف بری نگاہ سے آجتک نہیں دیکھا مزہ تو اس وقت ہے کہ آنکھوں میں بصارت موجود ہو اور پھر کسی طرف نگاہ بد نہ اٹھے، اسلام نے بیشک حکومت کی لیکن اس حکومت کے باوجود دنیا کو دکھا دیا کہ زمین کی بادشاہت کو برقرار رکھتے ہوئے، کس طرح سے آسمانی بادشاہت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسلام کا یہی امتیاز خصوصی ہے کہ وہ نہ تو محض آسمان کی بادشاہت کو ہی

Scanned by CamScanner

اپنا نصب العین قرار دیتا ہے کہ جس کے حصول میں یہ تمام نظام عالم تہ و بالا ہوجائے اور نہ صرف زمین کی بادشاہت ہی اپنا مقصد زندگی متعین کرتا ہے کہ جس سے اس قسم کا عالمگیر اضطراب و عدم اطمینان مسلط ہوجائے جیسا آجکل دول یورپ میں موجود ہے۔ آیئے ہم دیکھیں کہ اسلام نے جس قسم کی سلطنت قائم کی اس میں غیر مسلم رعایا کی کیا حالت تھی؟ اور انھیں کس حد تک مذہبی، معاشرتی، معاشی اور عمرانی آزادی حاصل تھی اور وہ کس حد تک حقوق انسانی سے بہرہ یاب تھے؟ استیعاب مقصود نہیں۔ اس لئے مختلف عہود اسلامیہ سے ایک ایک دو دو مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اور ان تمام مثالوں میں اسناد غیر مسلم مصنفین کے ہیں تاکہ جانبداری کا شائبہ نہ ہو۔ اس سے ایک مختصر سا خاکہ آپ کے ذہن میں آجائیگا کہ اسلام کی جو تعلیم ہم اوپر دکھا آئے ہیں وہ جب عملی شکل میں رونما ہوئی تو وہ کسقدر مذہبی رواداری کا پہلو لئے ہوئے تھی۔

اگرچہ غیر اقوام کے ساتھ ربط ضبط تو عہد رسالتمآب سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ اور فتح خیبر، یہود مدینہ اور فتح مکہ جیسے مقامات پر جس قسم کی مذہبی رواداری کی مثالیں ہمیں ملتی ہیں، تاریخ ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ لیکن بحیثیت حکومت عہد فاروقی سے اس کا سلسلہ ٹرہا ہے اور چونکہ اس عہد کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے اس لئے شروع میں اسی عہد کے چند ایک واقعات پر ہم نظر ڈالتے ہیں۔ اسلامی عہد حکومت میں، غیر مسلم رعایا کو ذمی کہا جاتا تھا جب یروشلم فتح ہوا ہے تو وہاں کے ذمیوں کے ساتھ ایک قسم کا عہد نامہ ہوا اس کے اقتباسات سے اندازہ فرمایئے کہ بہ حیثیت فاتح، مغلوب و مفتوح اقوام کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا گیا۔

> "یروشلم کی غیر مسلم رعایا کو ان کی جان، مال، اولاد، عبادت گاہوں، صلیبوں اور ہر اس چیز کی، جو انکی ملکیت میں ہے، حفاظت کی ضمانت دی جاتی ہے۔ ان کی زمینوں اور ان کے مذہب میں کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائیگا۔ ان کے کلیساؤں کو نہ تو منہدم کیا جائیگا اور نہ کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائیگا۔ ان کے اوقاف اور ان کے وقار کو بحال رکھا جائیگا۔ اہل یروشلم کو اپنے مذہب کی پابندی میں ہر قسم کی آزادی ہوگی۔

اور ان پر کسی قسم کا ظلم و ستم روا نہ ہوگا۔"؎

فتح یروشلم کے بعد حضرت عمرؓ جب گرجا کا ملاحظہ فرما رہے تھے تو وہیں نماز کا وقت آگیا، بطریق نے کہا کہ آپ وہیں نماز ادا کرلیں، لیکن آپ نے اس بنیاد پر انکار کر دیا کہ مبادا بعد میں آنے والے مسلمان بسنت عمری کی تقلید میں، اس گرجا کو مسجد میں ہی تبدیل کرلیں۔ تالیف قلوب، بالغ نظری اور مذہبی رواداری کا یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس سے سر ولیم میور جیسا مصنف بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اور اس نے اپنی کتاب (The Caliphate 145) میں اس کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ جملہ اقوام عالم میں مذہبی تعصب جنون کی حالت تک پہنچ چکا تھا۔ اسی یروشلم میں، مسلمانوں کی فتح سے بیشتر ہرقل نے ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ فلسطین، شام، ایشیائے کوچک اور مصر سے تمام یہودیوں کے اخراج کا حکم عام تھا۔ اور ان پر جس قدر بھی مظالم توڑے جائیں ان کی کہیں داد رسی نہ ہو سکتی تھی۔ غیر مذاہب والوں سے ہی نہیں بلکہ خود عیسائی جو اس خاص فرقہ Chalcedonian سے متعلق نہ تھے جس کا ہرقل پیرو تھا، ہر قسم کے مظالم کے شکار ہوتے تھے۔ چنانچہ یعقوبی فرقہ کا، ایک بطریق لکھتا ہے کہ

"ہرقل نے اپنی مملکت میں اعلان کر رکھا تھا کہ جو عیسائی اس کے مشرب و مسلک سے متعلق نہ ہو سکے کان اور ناک کاٹ دیئے جائیں اور اس کا گھر بار لوٹ لیا جائے۔ یعقوبی فرقہ کے عیسائیوں کو ہرقل اپنے سامنے نہیں آنے دیتا تھا، لہذا ان کی کہیں شنوائی نہ ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ خدائے جبار نے بنی اسمٰعیل کے گھرانے سے ایک ایسی ہستی کو مبعوث کر دیا جس نے ہمیں ظالم رومیوں کے پنجہ استبداد سے نجات دلائی۔ چونکہ ان علاقوں کے فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے کسی عیسائی سے اس کے مذہبی معاملہ میں تعرض نہ کیا اور جو معبد کسی کے قبضہ میں تھا، وہ اسی کے پاس رہنے دیا اس لئے یہ تو نہ ہو سکا کہ ہمارے چند ایک گرجے جنہیں Chalcedonian قبضہ کر چکے تھے، ہمیں واپس مل جاتے، لیکن ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رومیوں کے مظالم

؎ The Eclips of Christianity in Asia by Laurence E. Browne B.O.P.39

Scanned by CamScanner

سے چھوٹ گئے اور ہمیں عربوں کے ہاتھوں امن کی زندگی میسر آئی۔"[۵۱]

یہی حالت مصر میں تھی۔ ایک آرمینین عیسائی، ابو صالح، جو تیرہویں صدی کے شروع میں ہوا ہے لکھتا ہے:۔

"یہ ایسا وقت تھا کہ شاہنشاہ (قیصر) قدیم مذہب کے پرستار عیسائیوں پر بیحد ظلم و ستم کرتا تھا۔ اور انھیں زبردستی اپنے فرقہ میں داخل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ہرقل اور مقوقس کے ہاتھوں حقیقت پسند عیسائیوں نے بیحد تکالیف اٹھائیں۔ جب مظالم انتہا کو پہنچ گئے تو ملت حنیفیہ سے ایک قوم اٹھی جس نے رومیوں کے نخوت و تکبر کو توڑا اور مصر کو فتح کر کے یعقوبی فرقہ کے عیسائیوں کو رومیوں کے مظالم سے نجات دلائی۔"[۵۲]

چنانچہ فتح مصر کے وقت حضرت عمرو بن عاصؓ نے تمام اہل مصر کو ایک شرائط نامہ لکھکر دیا جس کی رو سے انکی املاک، نفوس، اور اولاد سب محفوظ تھیں۔ ان کو کامل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ ان کے گرجے اور معبد بالکل مصئون تھے۔ اور دشمنوں کے حملوں سے ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ تھی۔[۵۳]

فتح دمشق کے وقت ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ بڑے بڑے مقنن اور سیاست دان سنتے ہیں اور انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ مسلم افواج دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھیں۔ ایک طرف حضرت خالدؓ تھے، دوسری طرف ابو عبیدہؓ۔ حضرت خالدؓ ایک رات خندق پار کر کے، قلعہ کی دیوار پر چڑھ گئے۔ نیچے اتر کر دروازہ کھولدیا اور مسلم فوج دندانہ شہر میں گھس آئی۔ عیسائیوں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو فوراً دوسری طرف جا کر چپکے سے حضرت ابو عبیدہ سے صلح کر لی۔ چنانچہ ایک طرف سے حضرت خالد بہ حیثیت فاتح شہر میں بڑھتے چلے گئے اور دوسری طرف سے ابو عبیدہ بہ حیثیت حلیف بڑھتے آئے۔ وسط شہر میں دونوں فریق آملے۔ نصف شہر بہر حال لڑائی میں فتح ہوا تھا اور اس حصہ کے ساتھ ان شرائط کے ماتحت سلوک ہونا چاہئے تھا جو بہ حیثیت فاتح اہل دمشق

---

[۵۱] Chronique de Michel le Syrian II - 412 - 413

[۵۲] The Churches & Monastries of Egypt.P.30-31

[۵۳] Preaching of Islam by Arnold.P.102 بحوالہ فتوح البلدان اور Laurence E Brome.P.42

Scanned by CamScanner

سے بعد میں طے ہوتیں لیکن حضرت ابوعبیدہ نے کہا کہ چونکہ انھوں نے اہل شہر سے صلح کرلی ہے اور وہ انھیں امان دے چکے ہیں اس لئے ان سب کو حلیف ہی شمار کرنا چاہئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اہل شہر سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا گیا۔ حالانکہ ایفائے عہد کے متعلق روما کے مقنن اعظم سولن نے لکھا ہے کہ "معاہدہ مکڑی کا جالا ہے جو اپنے سے کمزور کو الجھا لیتا ہے اور اپنے سے قوی کے سامنے ٹوٹ جاتا ہے"۔

جب مسلمانوں کی افواج وادی حردان میں پہنچیں تو وہاں کے عیسائیوں نے ابوعبیدہ کو لکھا کہ:۔

"اے مسلمانو! ہم تمہیں بازنطینی حکمرانوں پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں۔ اس لئے کہ تم معاملہ میں ان سے کہیں بہتر ہو اور ہم سے ہمیشہ عدل و انصاف سے پیش آتے ہو۔ اور تمہاری حکومت ان سے بدرجہا اچھی ہے کہ انھوں نے ہمارے گھر بار ہم سے چھین لئے"[۱]۔

حمص میں مسلمانوں نے کچھ عرصہ تک اپنی چھاؤنی رکھی۔ عیسائیوں کی افواج نے جب دوبارہ حملہ کیا تو حمص کے عیسائیوں نے اپنے شہر کے دروازے بند کر لئے اور ان سے کہدیا کہ جاؤ! تم سے ان مسلمانوں کی حکومت ہزار درجہ بہتر ہے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کو فوجی ضرورت کے ماتحت کسی دوسری جگہ منتقل ہونا پڑا تو اہل شہر روتے تھے اور التجائیں کرتے تھے کہ خدا کے لئے جلدی سے واپس آنا کہیں رومن عیسائی پھر ہم پر حکومت کرنے کو نہ آجائیں[۲]۔ اللہ اللہ

تو نخل خوش ثمرے کیستی کہ باغ و چمن ہمہ ز خویش بریدند و با تو پیوستند

اسی حمص کا واقعہ ہے کہ ان سے سال بھر کا خراج مسلمانوں نے وصول کیا لیکن چھ مہینہ بعد انھیں دوسری جگہ جانا پڑ گیا تو حضرت عمرؓ نے حکم بھیجا کہ نصف خراج اہل شہر کو واپس کردو کہ جب انکی حفاظت ہی نہیں تو اس حفاظت کے بدل میں خراج کیسا[۳]؟ کیا ایسی مثال کسی اور تاریخ میں بھی آپ کو مل سکتی ہے؟

جبلہ بن ایہم کا واقعہ مشہور ہے کہ جب طواف کعبہ کے دوران میں اس کی چادر ایک اعرابی کے پاؤں تلے آگئی، اس نے اعرابی کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اعرابی نے فوراً اس کا جواب ویسے ہی طمانچہ میں دیا۔ شہزادے

۱،۲،۳ PREACHING OF ISLAM BY ARNOLD

Scanned by CamScanner

جبلہ نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس کی شکایت کی لیکن جب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسلام کے نزدیک تو ایک شہزادہ اور ایک ادنیٰ دہقانی کا ایک درجہ ہے تو اس نے پھر سے عیسائی ہوجانا چاہا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں ہمارے نزدیک تو تمھارے لئے تینوں راستے کھلے ہیں۔ یا مسلمان رہو یا عیسائی ہوکر جزیہ ادا کرو، یا جہاں جی چاہے چلے جاؤ، چنانچہ وہ اپنی تیس ہزار جماعت کیساتھ ایشیائے کوچک کی طرف چلا گیا۔[۵۱]

سب سے بڑا الزام جزیہ کے متعلق عائد کیا جاتا ہے۔ اور ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ غیر مسلم رعایا سے یہ "جرمانہ" ان کے مسلمان ہونے کے جرم کی بنا پر وصول کیا جاتا تھا۔ حالانکہ اس کی حقیقت بالکل جداگانہ ہے۔ مسلمانوں کو اپنی آمدنی کا چالیسواں حصہ حکومت کو ادا کرنا پڑتا تھا اور اس کے علاوہ ہر قسم کی فوجی خدمت ان کے ذمہ تھی۔ غیر مسلم رعایا جو مسلمانوں کے زیر حکومت رہتی تھی، اس کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمان حکومت پر لازم تھی۔ وہ فوجی خدمت سے مستثنیٰ تھے۔ اگر ان سے اس حفاظت کے اخراجات کی مد میں کچھ وصول کر لیا جائے، جو مسلمانوں کی زکوٰۃ سے بھی کم تھا، تو اس میں اندھیر کیا ہے؟ عورتیں، بچے، بوڑھے، اپاہج اور مذہبی رہنما اس سے مستثنیٰ تھے۔[۵۲] مسلمانوں سے پیشتر ساسانیوں نے عیسائی رعایا پر جو ٹیکس لگا رکھا تھا، وہ ساسانی رعایا سے دگنا ہوتا تھا اور اس کے جواز میں شاہ ساپر دوئم نے کہا تھا کہ لڑائی ہمیں لڑنی پڑتی ہے اور یہ مزے میں بیٹھے رہتے ہیں، دگنا کیوں نہ ادا کریں[۵۳]؟ مسلمانوں کے عہد حکومت میں جب کوئی غیر مسلم، فوجی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیتا تو اس سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ چنانچہ جراجمہ کے عیسائی قبیلہ نے اس رعایت سے فائدہ اٹھایا۔[۵۴] اہل حیرہ نے جزیہ دیا تو ان سے یہ شرط تھی کہ ان پر خواہ مسلمان حملہ آور ہوں خواہ غیر مسلم، ان کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی[۵۵]۔ اور ہم حمص کے واقعہ میں دیکھ چکے ہیں کہ جب مسلمان حفاظت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوئے تو باقیماندہ

۵۱۔ The Eclipse of Christianity. P. 37 ۔ ۵۲۔ انسائیکلوپیڈیا اوف اسلام جس کے مدیر سب غیر مسلم (عیسائی) ہیں۔ نیز Khalifs and their Non-muslim Subjects by Tritton ۵۳۔ Introduction to the history of the Assyrian Church by Wigram.

۵۴، ۵۵ طبری و بلاذری بسند ارملط

زرِجزیہ ذمیوں کو واپس کر دیا۔ کیا اس کے بعد بھی یہی سمجھا جائیگا کہ جزیہ، غیر مسلم کے مذہبِ اسلام قبول نہ کرنیکے جرم کی پاداش میں وصول کیا جاتا ہے؟ ذمیوں کے حقوق کا مسلمانوں کو اسقدر خیال رہتا تھا کہ حضرت عمرؓ کے آخری الفاظ یہ تھے:۔

"میں ذمیوں کے حقوق اب اپنے جانشین کے سپرد کرتا ہوں۔ ان کو خدا اور رسولؐ نے پناہ دے رکھی ہے، اس لئے میرے جانشین کو خیال رکھنا چاہئے کہ جو معاہدے ان کے ساتھ ہوئے ہیں ان پر شدت سے پابندی ہو۔ اور ان پر کسی قسم کا زائد بوجھ نہ ڈالا جائے"[۱]

حضرت عمرؓ کے خلاف بعض بعض الزامات عائد کئے جاتے ہیں کہ انھوں نے مذہب کے معاملہ میں عیسائیوں پر کچھ پابندیاں عاید کر رکھی تھیں۔ لیکن سر تھامس آرنلڈ نے Caetani وغیرہ کے حوالہ سے اس کی تحقیق کی ہے کہ یہ تمام الزامات بعد کی اختراع ہیں اور ابن حزم سے پہلے ان کا ذکر بھی نہیں ملتا۔ اسکے برعکس یہ واقعات بھی حضرت عمرؓ کے عہد کے ہیں کہ انھوں نے ذمیوں کی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تو حضرت عمرؓ اس مسلمان کو ذمی کے قتل کے بدلے میں قتل کر دیتے۔ انھوں نے تمام زمینیں ذمیوں کے قبضے میں رہنے دیں اور یہ حکم دیدیا کہ کوئی مسلمان کسی ذمی کی زمین کو خرید بھی نہیں سکتا۔ ذمیوں کے علاقہ کے متعلق کوئی بندوبست پیش آتا تو انہی کے نمائندوں سے اس کے بارہ میں مشاورت ہوتی۔ قاعدہ تھا کہ جو شخص اپاہج اور ضعیف ہو جاتا اور محنت مزدوری سے کسب معاش نہ کر سکتا تو اس کے لئے بیت المال سے کچھ وظیفہ مقرر ہو جاتا۔ مساوات کی یہ انتہا ہے کہ اس رعایت میں مسلمانوں کے ساتھ ذمی بھی برابر کے شریک تھے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید نے حیرہ کے ذمیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا۔ جسکا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اس میں یہ شرط بھی داخل تھی۔

عہد خلافت راشدہ کے بعد اگرچہ حکومت ملوکیت میں تبدیل ہوگئی لیکن روح اسلامی ابھی مسلمانوں

---

[۱] طبقات ابن سعد جسکی صداقت کی تحقیق آرنلڈ نے بھی کی ہے۔

Scanned by CamScanner

میں موجود تھی۔ چنانچہ عہد بنی امیہ اور عہد عباسیہ میں بھی ہمیں مذہبی رواداری کے درخشندہ واقعات صاف صاف نظر آتے ہیں۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے حکم دے رکھا تھا کہ کوئی گرجا، کوئی معبد گرایا نہ جائے[۵۱]۔ خلیفہ ہشام کے لڑکے نے ایک مرتبہ شکایت کی کہ ایک مسلمان کو ایک عیسائی نے مارا ہے، خلیفہ نے کہا کہ اسے کہو عدالت میں جا کر چارہ جوئی کرے۔ مسلمان اور عیسائی کی تمیز کیسی[۵۲]؟

خلیفہ المامون کے وقت ایک پادری یزدان بخت دربار میں آیا۔ مسلمانوں سے اس نے مباحثہ کیا اور ہار گیا۔ خلیفہ نے کہا کہ اب مسلمان ہو جاؤ۔ اس نے کہا زبردستی یا اپنی مرضی سے۔ خلیفہ نے کہا کہ اپنی مرضی سے اس میں زبردستی کوئی نہیں۔ اس نے کہا پھر تو میں مسلمان نہیں ہوتا، چنانچہ خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے فوجی حفاظت میں اس کی جائے پناہ تک پہنچا دیا جائے، مبادا کوئی نادان اسے نقصان نہ پہنچائے[۵۳]۔ عہد عباسیہ میں نسطورین فرقہ کے عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت کا کچھ تنازع ہو گیا۔ ایک مسلمان مارا گیا۔ جس سے مشتعل ہو کر مسلمانوں نے ان کے گرجے پر حملہ کر دیا۔ گرجے کو اتفاقیہ آگ لگ گئی۔ عیسائیوں نے مسلمان قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ چنانچہ ابو حامد اسفرائینی، اور ابوبکر خوارزمی جیسے جلیل القدر مقننین کی رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ جس شخص نے گرجے پر حملہ کرنے میں سابقت کی ہے وہ مجرم ہے۔ اسے اس کے جرم کی سزا دی جائے[۵۴]۔ ان واقعات سے اس زمانہ کی عام مذہبی آزادی کا پتہ چل سکتا ہے۔

مصر میں سلطان صلاح الدین کے وقت عیسائی اچھے اچھے عہدوں پر متمکن تھے۔ سکرٹری اکونٹنٹ رجسٹرار بالعموم عیسائی ہوتے تھے[۵۵]۔ مسٹر لارنس ای براون نے لکھا ہے کہ "مصر میں عیسائیوں پر سوائے خلیفہ الحاکم کے عہد کے جو درحقیقت دیوانہ قرار دیا جاتا ہے۔ کبھی ظلم وستم نہ ہوا۔ اور جہاں کہیں عیسائیوں نے کچھ مصیبتیں

۵۱ The Caliphate b Sir William Muir P. 330,405

۵۲-۵۳ Preaching of Islam.P.85

۵۴ Mari " fol. 185 b

۵۵ Preaching of Islam. P.103

اٹھائیں وہ انکی باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے تھیں[۵۱]۔ جنگ صلیبی کے وقت بہت سے عیسائی مسلمانوں کے کیمپ میں پناہ گزین ہوگئے اور مسلمانوں نے ان کو امان دی۔ ان میں سے کچھ تو واپس چلے گئے۔ اور بہت سے وہیں ملازم ہوگئے اور اپنے آبائی مذہب پر بدستور قائم رہے۔ اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا گیا۔ انہی حالات کی روشنی میں سر آرنلڈ نے لکھا ہے کہ:۔

" اگر خلفائے عباسیہ چاہتے تو جس طرح سے ازبلا اور فرڈی ننڈ نے ہسپانیہ سے اسلام کو خارج کر دیا تھا۔ یا لوئیس چہاردہم نے فرانس میں پراٹسٹنٹ کے عیسائی فرقہ کو مجرم قرار دے دیا تھا۔ وہ بھی ایشیائے کوچک سے عیسائیت کو خارج کر دیتے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا"

Preaching of Islam P. 79

اگرچہ یہ شہادتیں تاریخی اعتبار سے کچھ کم وقیع نہیں ہیں۔ لیکن عہد اسلامی میں غیر مسلم رعایا کی عام حالت کے متعلق کچھ ایسے بیانات بھی موجود ہیں جن پر کسی خارجی اثر یا ایک طرفہ میلان ورجحان یا کسی دباؤ کا امکان نہیں ہوسکتا۔ اس زمانے کے بعض عیسائی بطریق اور دیگر پادری اپنے اسقف وغیرہ کو خفیہ خطوط لکھتے رہتے تھے، ان میں سے بعض خطوط دستیاب ہوگئے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی رعایا فی الواقعہ مسلمانوں کے عہد حکومت سے مطمئن اور خوش تھی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر انھیں کچھ بھی تکلیف ہوتی تو وہ اسی کو بڑھا چڑھا کر کیوں نہ لکھتے۔ ہم ان خطوط میں سے بعض اقتباسات ذیل میں درج کرتے ہیں۔

بطریق ایشوب سوئم دیوار و شیر (فارس) کے سایمن کے نام ایک خط کے دوران میں لکھتا ہے:۔

" یہ طے یا عرب، جنکو خدا نے اس زمین کی حکومت عطا کی ہے، آپ کو علم ہی ہے کہ اب ہمارے پاس رہتے ہیں لیکن انھوں نے کبھی ہمارے مذہب پر حملہ نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ ہمارے مذہب کی عزت کرتے ہیں۔ ہمارے پادریوں اور خدائے مسیح کے اولیاء کی تعظیم کرتے ہیں اور کلیساؤں اور خانقاہوں پر ان کی طرف سے الطاف واکرام کا سلوک کیا جاتا ہے"[۵۲]

---

[۵۱] The Eclipse of Christianity in Asia by Laurence E. Browne B.O. - P. 62

Assemani, III, Pt. II [۵۲]

چونکہ اس بطریق کا زمانہ قریباً ۲۴ھ لغایۃ ۳۶ھ ہے اسلئے مصرحہ بالا خط حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ کے عہد حکومت میں لکھا گیا ہوگا
یروشلم کے فرقہ مالکی، کا ایک بطریق قسطنطنیہ کے بطریق کے نام ایک خط میں رقمطراز ہے:۔

"مسلمان عادل ہیں اور ہم سے نہ کوئی بے انصافی کرتے ہیں اور نہ ہی کسی قسم کی زیادتی روا رکھتے ہیں"[۵۱]۔

اسی طرح نزبن کے میٹروپولیٹن "الیاس" نے ۹-۱۰۰۸ء میں لکھا ہے:۔

"مسلمانوں کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ انکی اطاعت اور محبت، دیگر مذاہب کے لوگوں کی اطاعت سے زیادہ ہم کو متاثر کرتی ہے۔ خواہ ہم انکی رعایا ہوں یا نہ ہوں۔ اور خواہ وہ ہم سے کیسا ہی سلوک کیوں نہ کریں۔ اور یہ اسلئے کہ مسلمان اسے اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں کہ ہماری حفاظت کریں، ہماری عزت کریں اور ہم سے نیک سلوک کریں۔ اور انکا عقیدہ ہے کہ ان میں سے جو کوئی غیر مذہب والے کو ستائیگا، نبی اکرم قیامت کے دن اس مسلمان سے مؤاخذہ کرینگے[۵۲]۔ انکا قانون ہمارے حقوق کو تسلیم کرتا ہے اور ہمیں دیگر مذاہب سے متمیز قرار دیتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی مسلمان نے جب کبھی ہم سے زیادتی کی ہے تو اسکے قانون نے اسے بتا دیا ہے کہ اس نے یہ ناجائز کام کیا ہے۔ برعکس اسکے دوسرے مذاہب کے متبعین میں سے کسی نے اگر ہماری عزت کی ہو یا ہم سے نیک سلوک کیا ہے تو اسے اسکے قانون نے بتایا ہے کہ اس نے یہ اچھا کام نہیں کیا۔ لہذا مسلمانوں نے اگر ہم پر زیادتی بھی کی ہے تو ان کے اس اعتراف کی بنا پر کہ انھوں نے یہ مستحسن کام نہیں کیا، انکی زیادتی ہمارے لئے دیگر اہل مذاہب کے حسن سلوک سے کہیں بہتر ہے کہ حسن سلوک کی بنا پر ان کے قانون نے انھیں بتایا کہ انھوں نے یہ برا کام کیا ہے"[۵۳]۔

ان بیانات سے ظاہر ہے کہ غیر مسلم رعایا مسلمانوں کے عہد حکومت اور ان کے اصولوں کو کسقدر نعمت الٰہی سمجھتی تھی اور ان کو کسقدر اطمینان اور آزادی حاصل تھی۔ برعکس اس کے اسی زمانے میں جہاں کہیں مسلمان عیسائی حکومت میں آباد تھے ان پر انتہائی مظالم توڑے جاتے تھے۔ ابی سینیا میں شاہ سیفا آراد نے حکم عام دے رکھا تھا کہ تمام ملک میں جتنے مسلمان ہیں یا تو عیسائی ہو جائیں یا ملک بدر کر دئے جائیں یا جہاں ہوں وہیں قتل کر دئے جائیں[۵۴]۔ حالانکہ

---

[۵۱] Boehier, P.31 [۵۲] یہ ابوداؤد کی ایک حدیث کی بنا پر ہے۔ (پرویز) [۵۳] The Eclipse of Christianity in Asia. P.48-49
[۵۴] Preaching of Islam. P.114.

Scanned by CamScanner

یہ وہی ابی سینیا ہے جو مسلمانوں کی وسعتِ ظرف کے صدقے عیسائیوں کے قبضہ میں رہا تھا۔ نجاشی نے مسلمانوں کے سب سے پہلے مہاجرین کو جو سات آٹھ سال تک اپنے ہاں پناہ دی تو مسلمانوں نے اس احسان کا بدلہ اس انداز سے دیا کہ سات آٹھ سو سال تک جبکہ چین سے لیکر مراکش تک اسلامی پرچم لہراتا رہا، حبش کی عیسائی سلطنت میں، جو ایک مختصر سے قطعہ ارض پر مشتمل تھی یہ کبھی دخل انداز نہ ہوئے درآنحالیکہ نجاشی اول کا جانشین ہی مسلمانوں کے مخالف ہو گیا تھا اور سنہ ۹ھ میں ایک دستہ، فوج لیکر جدہ تک چڑھ آیا تھا۔ نبی اکرمؐ نے بجائے جنگ کرنے کے اس سے صلح کا برتاؤ کیا اور نجاشی کے احسان کے بدلے میں مسلمانوں کو حکم دیدیا کہ

سالموا الحبشۃ ما سالمتکم — جبتک اہل حبش تم سے مصالحت رکھیں تم بھی ان سے مصالحت رکھنا

اسپین میں جب مسلمان داخل ہوئے ہیں تو وہاں کی عیسائی سلطنت کے ماتحت یہودیوں پر ایک قیامت برپا تھی۔ انھوں نے یہودیوں کو ان کے پنجۂ استبداد سے چھڑایا اور خود عیسائیوں کو ان کے مذہب میں کامل آزادی عطا کی۔ وہ اپنے معاملات کا تصفیہ اپنے قاضیوں سے کراتے۔ ہر قسم کے مذہبی تیوہار مناتے۔ نئے گرجے بھی تعمیر کرتے۔ آخری زمانہ میں عیسائی مذہبی جوش میں، قرطبہ کے بازاروں میں آکر، رسول اکرمؐ کی شان میں گستاخی برتتے لیکن اسلامی حکومت کی طرف سے سزا صرف انفرادی مجرم کو دی جاتی اس کے ہم مذہب دیگر افراد سے کوئی باز پرس نہ ہوتی۔ اور تمام عیسائی رعایا امن و اطمینان کی زندگی بسر کرتی۔[ف۱] فتح قسطنطنیہ کے وقت ایک روسی مؤرخ کا بیان ہے کہ "عیسائیوں کے مظالم سے غریبوں پر خدا کی دنیا تنگ آچکی تھی۔ مسلمان اس کے خرمن استبداد پر برق خاطف بنکر گرے۔ ان کے منصف اپنی امانتوں میں کبھی خیانت نہیں کرتے تھے"[ف۲]

فارس میں آتش پرستوں کے معبد بالکل محفوظ رہے، دسویں صدی یعنی فتح ایران کے تین سو سال بعد تک کے مورخین کے بیان کے مطابق عراق، فارس، کرمان، خراسان، آذربائیجان میں آتشکدے موجود تھے۔ المعتصم کے عہد میں ایک جرنل نے ایک امام مسجد اور موذن کو دروں سے پٹیا کہ ان کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ وہ ایک پرانے

ف۱ Preaching of Islam.P.141.

ف۲ Karamsin Vol.V-P.43

Scanned by CamScanner

آتشکدے کو مسجد میں تبدیل کرنا چاہتے تھے۔ شیراز میں گیارہویں اور تیرہویں صدی تک غیر مسلم رعایا کے تیوہاروں کی تقریب میں شہر کے بازار آراستہ کیے جاتے اور یہ تیوہار بڑی دہوم سے منائے جاتے۔ [۵۱]

اسلام کی تعلیم کا تو کچھ ایسا تحیر انگیز اثر ہے کہ وہ گویا انسان کی فطرت ہی بدل دیتی ہے چنگیز خاں و ہلاکو خاں کے چغتائی اور منگول قبائل تاریخ عالم میں سبعیت و بربریت کے مجسمے تصور کیے جاتے ہیں۔ ہر زبان میں انکا نام آتش و خون کے حروف میں لکھا جاتا ہے۔ اسی سے ان کے مذہبی تعصب و جنون کا اندازہ لگا لیجیے، چنگیز خاں و بغرا خاں کے عہد حکومت میں یہ حکم عام تھا کہ جو شخص مسلمانوں کے طریق پر کوئی جانور ذبح کرے، ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اسے قتل کر دے۔ لیکن یہی قبائل جب اسلام کے آغوش میں آئے تو ان کی مذہبی رواداری کہ یہ کیفیت تھی کہ ازبک خاں نے پیٹر کے اسقف کے نام ۱۳۱۳ء میں ایک منشور لکھا جس میں درج تھا کہ کوئی شخص حدود سلطنت کے اندر کسی عیسائی کے گرجا کو نقصان نہ پہنچائیگا۔ اس کی جائداد نہیں چھینے گا۔ اور اس کے مذہب سے قطعاً تعرض نہیں کریگا۔ جو ایسا کریگا وہ حکومت کی جانب سے سزا کا مستوجب ہوگا اور اپنے خدا کے حضور اس کا جوابدہ" [۵۲]

ہندوستان کے متعلق کچھ زیادہ تفصیل سے لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ یہاں مسلمانوں کے عہد حکومت میں مذہبی رواداری کا زندہ ثبوت خود یہاں کی مردم شماری ہے۔ ہندوستان میں قریب ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے حکومت کی اور اس میں ایسے ایسے وقت بھی آئے کہ کشمیر سے میسور تک اور گجرات سے بنگال تک ایک ہی مسلمان بادشاہ کا سکہ رواں تھا۔ لیکن باایں ہمہ سلطنت مغلیہ کے اختتام پر مسلمانوں کی تعداد تین کروڑ سے کم تھی۔ [۵۳] اور پھر جب "تلوار" ہاتھ سے نکل گئی تو اس اسّی سال کے عرصہ میں وہ تین گنا ہو گئی۔ ان اعداد و شمار سے اگر وہ تعداد خارج کر دی جائے جو غیر ہندی مسلمانوں اور ان کی اولاد پر مشتمل ہے اور اسکے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ ہندوستان میں کسقدر اسلامی

---

[۵۱] The Cliphs &their Non-Muslim subjects by Tritton .P.107

[۵۲] پریچنگ آوف اسلام ص ۲۹۱۔ [۵۳] ڈاکٹر خالد بینگ کے ایک بیان کی روسے جب ہندوستان کی حکومت انگریزوں کے ہاتھ میں گئی ہے تو مسلمان کل آبادی کا دسواں حصہ تھے اور گورنمنٹ ہند کی مردم شماری رپورٹ بابتہ ۱۸۸۱ء کی روسے مسلمان کل آبادی کا پانچواں حصہ یعنی پانچ کروڑ اور ۱۹۳۱ء کے مردم شماری کے حساب سے قریب ۹ کروڑ ۔۔۔

مبلغ آئے اور انھوں نے غیر مسلم باشندوں کے دلوں میں کسقدر گہری عقیدت پیدا کر لی تو "شمشیر" بچاری کے حصہ میں سوائے بدنامی کے اور کیا رہ جاتا ہے۔

سب سے پہلے حجاج کے عہد میں غازی محمد بن قاسم کے زیر قیادت مسلمان سندھ میں آئے سر ولیم میور لکھتا ہے کہ

"مسلمانوں نے ہندوؤں کے تمام مندر اسی طرح رہنے دیئے ان کو بت پرستی سے بجبر نہیں روکا۔ یہود و نصاریٰ پارسی، سب کو اجازت تھی کہ اپنے اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ باوجود اسلامی حکومت کے ہندوستان غیر مسلم ہی رہا۔"[۵۱]

محمود غزنوی کے حملے مسلم جور و استبداد کے لئے بطور ضرب المثل استعمال کیے جاتے ہیں لیکن انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا عیسائی مدیر ان تمام حملوں کے تذکرہ کے بعد لکھتا ہے کہ

"محمود نے مذہب کے بارے میں کہیں زبردستی نہیں کی، بلکہ کئی ایک جگہ اس نے اپنے اہل مذہب پر ہندوؤں کو ترجیح دی۔"

اسی طرح لالہ تلسی رام صاحب اپنی کتاب "واقعات ہند" میں لکھتے ہیں

"محمود نے بجبر کسی کو مسلمان نہیں بنایا۔ نہ کسی ہندو کو اسلئے قتل کیا کہ وہ ہندو ہے۔"

ڈاکٹر برنیر اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے۔

"مسلمانوں کی تدبیر مملکت کا یہ ایک جزو ہے کہ وہ ہندوؤں کی خصوصیات میں، جنکی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے، دست اندازی کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کے مذہبی رسوم کے بجا لانے میں ان کو آزادی دیتے ہیں۔"

اکبر کے عہد میں یہ رواداری تو گویا جانبداری کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ راجہ مان سنگھ کو مثلاً وہ اقتدار حاصل تھا جو شاید پرتھوی راج کو بھی نصیب نہ ہوا ہو۔ راجہ ٹوڈرمل وغیرہ کی قدر و منزلت کسی صورت میں بکرماجیت کے نورتنوں سے کم نہ تھی۔ مذہبی آزادی کے متعلق رائے بہادر لالہ بیجناتھ اپنی کتاب "ہندوستان گذشتہ و حال" میں تحریر فرماتے ہیں

"مسلمان فرماں رواؤں کی نسبت یہ اعتراض بھی پیش کیا جاتا ہے کہ ان کے عہد میں نئے مندر بننے کی اجازت نہ تھی لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ دہلی، آگرہ، متھرا وغیرہ میں جو اسلامی قوت و سطوت کے خاص مرکز تھے بہت سے مندر

---

۵۱ The Caliphate. P.363

شاہان اسلام کے عہد کے تعمیر شدہ اسوقت تک موجود ہیں“ (بحوالہ ملت دہلی)

اورنگ زیب کے تو نام سے ہی ایک خونچکاں منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ کم از کم اس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ جب تک سوامن زنار اتروا نہیں لیتا تھا، کھانا نہیں کھایا کرتا تھا[۵۱]۔ لیکن تاریخ کے ان صفحات کو کہاں لے جائیے جن پر ثبت ہے کہ

”اورنگ زیب کو خبر پہنچی کہ بنارس کے بعض حکام برہمنوں کو ستاتے ہیں، تو اس نے ابوالحسن گورنر بنارس کو فرمان بھیجا کہ ہماری شریعت کا حکم ہے مندر نہ ڈھائے جائیں اور ان کے پجاریوں پر سختی نہ کی جائے لہذا یہ حکم دیا جاتا ہے کہ کوئی شخص کسی برہمن یا ہندو پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالے“[۵۲]

اسی طرح بابو رام نرائن صاحب مینجر ریاست رام نگر اپنے ایک مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”ضلع سیتاپور میں مصرکہ کے مندر کو عالمگیر نے چند مواضعات جاگیر میں دیے جو ابتک موجود ہیں نیز متھرا کے قریب بلدیو داؤ کے مندر کو بہت سے گاؤں جاگیر میں دیے“[۵۳]

بابو منوہر لعل صاحب ادہری اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں۔

”اورنگ زیب نے مندروں کو جاگیریں دیں۔ اس کے بڑے بڑے عہدہ دار ہندو تھے“[۵۴]

پروفیسر ایشوری پرشاد صاحب اپنی ”تاریخ ہند“ میں لکھتے ہیں۔

”ملتان میں تلا مائی کے مندر کو ایک سو روپیہ سالانہ جاگیر عالمگیر نے عطا فرمائی۔ ویرہ دون کے گورودوارہ کو جاگیر دی۔ ہندوں پر سے محصول جاترہ، جو پہلے سے چلا آتا تھا، موقوف کر دیا“[۵۵]

سکھ حضرات کے ہاں تو ”اورنگا“ کے مظالم کی داستانیں ہر تقریب پر دھرائی جاتی ہیں۔ اور ان

---

[۵۱] اگر ایک زنار کے تاگے کا وزن ایک تولہ بھی سمجھ لیا جائے تو گویا... سم ہندو ہر روز مسلمان کیے جاتے تھے۔ یا قتل کر دیے جاتے تھے اب اندازہ فرمائیے کہ اس کے پچاس سالہ عہد حکومت میں کسقدر ہندو مسلمان ہوئے، یا مار دیے گئے۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسے ع مگر کہ زندہ کنی خلق را دبار کشی۔ کا اعجاز معشوقانہ آتا ہوگا۔ یا للعجب۔ [۵۲] بنارس سٹی مصنفہ نرنجن سلین صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل۔ [۵۳] بحوالہ ضروری کہانیاں از قاضی عبدالصمد صاحب۔

میں گرو گوبند سنگھ جی کے واقعات کو سب سے زیادہ نمایاں کیا جاتا ہے۔ لیکن رائے بہادر کنہیا لال اپنی "تاریخ پنجاب" میں لکھتے ہیں :-

"گرو گوبند سنگھ جی نے محاصرہ کے بعد اورنگ زیب کو فارسی میں عرضی لکھی کہ میں سیاست سے الگ ہو کر عبادت کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے لکھا کہ اگر ایسا ہے تو آپ سے کوئی مزاحمت نہیں کی جائیگی چنانچہ اس نے تمام حکام کو اس کے مطابق احکام جاری کر دئے"[۵۱]

متاخرین میں سے حیدر علی اور سلطان ٹیپو بھی اس بارے میں بہت بدنام کئے جاتے ہیں کہ انھوں نے بہت سے ہندو خاندانوں کو مسلمان کر لیا۔ ان کے متعلق سر تھامس آرنلڈ لکھتے ہیں کہ :-

"یہ تحقیق سے ثابت ہے کہ ان خاندانوں کا مسلمان ہونا ان بادشاہوں کے عہد سے بہت پہلے کا واقعہ ہے"

اسی حیدر علی کے دو وزیر برہمن تھے اور شاما برہمن اسکا معتمد خاص تھا۔[۵۲] ماوکوٹہ میں جو وشنو کا مندر ہے اس میں دو چاندی کے برتن ہیں جن پر یہ عبارت کندہ ہے "یہ برتن ٹیپو سلطان کیطرف سے بطور ہدیہ مندر کو دئے گئے"۔

ان واقعات کے دھرانے سے ہمارا مطلب یہ نہیں کہ ان مسلمان فرمانرواؤں کی وسعت نظر و کشادہ دلی کے قصائد لکھے جائیں۔ بلکہ کہنا صرف یہ ہے کہ چونکہ ان کے عہد حکومت میں اسلامی کلچر، اسلامی روایات اور اسلامی تعلیم کے کچھ نہ کچھ آثار باقی تھے، اس لئے ان کا تقاضا تھا کہ غیر مذاہب والوں سے رواداری کا برتاؤ کیا جائے یہ تاریخ کے یہ صفحات آپکے سامنے ہیں۔ غیر مسلم مصنفین کی شہادتیں موجود ہیں۔ ان کی روشنی میں مسلمانوں کے عہد حکومت پر نگہ ڈالئے۔ خواہ وہ عرب میں ہوں یا عجم میں۔ چین میں ہوں یا ترکستان میں۔ مصر میں ہوں یا ہندوستان میں۔ چونکہ قرآن کریم کی تعلیم کا تقاضہ تھا کہ کسی شخص پر محض اختلاف مذہب کی بنا پر کوئی زیادتی نہ کی جائے۔ اسلئے کسی کا ذاتی رجحان اور طبعی میلان کچھ ہی کیوں نہ ہو جب وہ قرآن کریم کو سامنے رکھ لیتا تھا تو عدل و انصاف

---

[۵۱] بحوالہ ضروری کہانیاں از قاضی عبدالصمد صاحب۔ [۵۲] سوانح عمری حیدر علی از ڈبی لال سنگم

سے اعراض نہیں کر سکتا تھا۔ غیر مذاہب کے حضرات اگر ان معروضات پر غور و فکر کی نگاہ ڈالیں گے تو وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ اسلام کا دامن ان تمام خونی دھبوں سے پاک ہے جو اس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ وہ دنیا کو امن و سلامتی کا پیغام دینے والا ہے اور کسی حالت میں بھی رشتہ عدل و انصاف کو ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کے خدا کا اعلان ہے کہ

لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (۵ : ۸)

کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم ان سے عدل نہ برتو۔ عدل کرو۔ کہ وہ تقوی سے بہت قریب ہے۔

اور انہی واقعات کو دیکھنے کے بعد ایک عیسائی مصنف یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ:-

"تاریخ (کے واقعات) جو ہم نے اس کتاب کے صفحات پر بے نقاب کئے ہیں، ظاہر کر رہے ہیں کہ اسلام ایشیا کے عیسائیوں سے بزور شمشیر نہیں منوایا گیا۔ بلکہ اس کی اشاعت مسلمانوں کی روز افزوں ترقیوں کی وجہ سے ہوئی" [1]

برعکس اس کے

"صلیبی لڑائیاں لڑنے والوں کے دل میں سب سے پہلے آرزو یہ تھی کہ وہ جناب مسیح کے لیے بزور شمشیر ایک سلطنت حاصل کرلیں" [2]

---

1. The Eclipse of Christianity in Asia. P.183-184
2. Ibid. P.143

ادبیات

غزل

از جناب مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے ایل ایل بی وکیل اعظم گڑھ

خلشِ غم میں بھی ہنس ہنس کے گزر کرتے ہیں
ہم ہیں وہ پھول جو کانٹوں میں بسر کرتے ہیں

رخ ترے حیرتیِ حسن جدھر کرتے ہیں
اس طرف سجدہ سب اربابِ نظر کرتے ہیں

اڑ گئی توڑ کے غنچے کا قفس موجِ شمیم
خوگرفتہ ابھی ماتم پر کرتے ہیں

یہ نقابِ گل و نسرین یہ حجابِ مہ و خور
آپ چھپتے ہیں کہ تحریکِ نظر کرتے ہیں

امتحاں سخت ہے یارب دلِ مظلوم کی خیر
اندنوں وہ بھی عنایت کی نظر کرتے ہیں

شامِ غربت میں قدم لیتی ہے خود صبحِ وطن
بیخودِ شوق جب آہنگ سفر کرتے ہیں

کیا خبر تھی کہ ترا گوشۂ دامن ہوگا
ہم تو سمجھے تھے ابھی چاک جگر کرتے ہیں

جن سے تھی کشمکشِ غم میں رفاقت کی امید
اب وہی دیدۂ دل ہم سے حذر کرتے ہیں

اور سب قافلے والے ہوئے منزل کے قریب
ہم ابھی خیر سے سامانِ سفر کرتے ہیں

امتحاں آج ہے خورشیدِ قیامت تیرا
لے ترے سامنے ہم دامنِ تر کرتے ہیں

ہم نشیمن کو بھی روئیں تو خطا ہوتی ہے
پھونک ڈالیں وہ چمن بھی تو ہنر کرتے ہیں

دل کی دنیا میں کہاں سود و زیاں کا جھگڑا
بوالہوس نالہ بہ امیدِ اثر کرتے ہیں

اٹھ گئے جوہرِ معنیٰ کے پرکھنے والے
اب سہیلؔ آپ عبث عرضِ ہنر کرتے ہیں

تلخیصات

انگریزی شہنشاہیت کے استحکام کا راز

اس دور شور و شر میں حکومتیں روز بنتی بگڑتی ہیں، سلطنتیں قائم ہوتی ہیں اور ٹوٹ جاتی ہیں، سیاست کی تیز و تند آندھیاں آئے دن سلطنتوں کے نقشے بدلتی رہتی ہیں۔ مشرق و مغرب میں کتنے ایسے شاہی خاندان مل جائیں گے جو ابھی تخت شاہی پر متمکن تھے کہ دفعتاً کسی انقلاب نے ان کی تمام عظمت خاک میں ملا دی۔ اس قسم کے انقلابات و تغیرات سے کوئی زمانہ اور کوئی قوم خالی نہیں ہے۔ صرف انگلستان کا موجودہ شاہی خاندان اگر اپنی خوش قسمتی پر فخر کرے تو فخر کر سکتا ہے کہ انقلابات و تغیرات کے ہر دور میں وہ رعایا کی نگاہوں میں محبوب و ہر دلعزیز رہا۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ مصر کے ایک مشہور صاحب قلم، ادیب عباسی نے اس سوال کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم ناظرین الاصلاح کی واقفیت کے لئے اس مضمون کا خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں۔

مضمون نگار نے انگریزوں کی تاریخ سے بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ انگریز فطرتاً حریت پسند ہیں۔ انھوں نے تاریخ کے ہر دور میں یہ کوشش کی ہے کہ اقتدار سلطنت، خاندان شاہی کے بجائے پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہو اور ملک اپنے مذہب میں ہر قسم کی مداخلت سے آزاد۔ ان دونوں مقصدوں کو حاصل کرنے کے لئے انھیں سخت کوششیں کرنی پڑی ہیں۔ ان کے حصول کے لئے انھوں نے جنگیں کی ہیں۔ جان و مال کی قربانیاں پیش کی ہیں۔ اور ہر اس بادشاہ سے لڑے ہیں جس نے ان چیزوں میں مداخلت کی کوشش کی ہے۔ خاندان ہانوور، موجودہ خاندان شاہی ہے۔ پہلے زمام حکومت خاندان اسٹوارٹ کے ہاتھوں میں تھی مگر اس کو انگریزوں کے انھی مطالبات کی مخالفت کی وجہ سے تخت و تاج سے محروم ہونا پڑا۔ چنانچہ چارلس اول اسی لئے معزول کیا گیا کہ اس نے پارلیمنٹ کی مخالفت کی اور اس کو توڑنا چاہا۔ جیمز ثانی کو ایک سخت خانہ جنگی کے بعد زمام حکومت

دوسرے کے ہاتھ میں دینی پڑی کہ اس نے فرقہ کیتھولک کی بے جا حمایت کی تھی۔ اور بالآخر اس خاندان سے ملک کی ناگواری اس حد تک بڑھی کہ جب ملکہ این کی وفات ہوئی تو ایک زبردست سازش سے خاندان اسٹوارٹ کو ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا گیا اور خاندان ہانوور کے ایک فرد جارج اول کو جو مذہباً فرقہ پروٹسٹنٹ سے تعلق رکھتا تھا، بادشاہ بنا دیا گیا۔ جب سلطنت خاندان ہانوور کے ہاتھوں میں آئی، اس نے گذشتہ حالات و واقعات کو دیکھتے ہوئے اپنے امن و سلامتی کے لئے ضروری سمجھا کہ تمام اختیار حکومت جمہور کو سپرد کر دیا جائے اور ان کو یہ حق دیدیا جائے کہ پارلیمنٹری طریقہ پر جو نظم و نسق چاہیں قائم کریں اور اپنے دینی معاملات میں بھی آزاد رہیں۔

اس طریق عمل سے اب تمام ذمہ داریاں پارلیمنٹ کے سر آپڑیں اور وہ خود جمہور کی ناخوشی اور مخالفت سے آزاد، اور معاندین کی سازشوں اور دسیسہ کاریوں سے مامون ہوگئے کہ اب ان کے ہاتھ میں اختیار ہی نہ رہا غرض اس طریق عمل نے جمہور کے لئے بادشاہ پر نکتہ چینی، یا اس سے مخالفت کی کوئی صورت ہی نہ چھوڑی۔

لیکن بادشاہ کی ہردلعزیزی کا سبب صرف اس طریق عمل کو قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اس کے وجوہ و اسباب اور بھی ہیں جن میں سب سے زیادہ دخل، انگریزوں کی فطرت و کیفیت مزاج اور خاندان شاہی کے طرز عمل کو ہے۔ انگریز فطرتاً متین و سنجیدہ ہوتے ہیں۔ ان کو اپنے جذبات پر پورا قابو حاصل ہوتا ہے۔ وہ صرف عمل کے قائل ہیں۔ خیالی نظریات کے پیچھے اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔ وہ ہر چیز کو عقل کے ترازو پر تولتے ہیں، جذبات کی رو میں کبھی نہیں بہتے۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی نظر مقصد پر ہوتی ہے مقصد حاصل ہونے کے بعد، اس کے ذرائع و متعلقات پر زیادہ بحث نہیں کرتے۔ انگریز جان کے زمانہ سے خاندان اسٹوارٹ کے آخر عہد تک صرف شہری اور مذہبی آزادی کے طالب تھے۔ جب یہ دونوں چیزیں انھیں حاصل ہوگئی ہیں تو انھیں اس سے کیا غرض کہ ملک میں جمہوریت قائم ہو یا ملوکیت۔ اگر آج انگریزوں کے دلوں میں مساوات اور حقوق وغیرہ کے خیالات چٹکیاں لیں تو ممکن ہے یہ بھی ان کے حصول کے لئے

Scanned by CamScanner

وہی وحشتناک صورتیں اختیار کریں جو فرانس وغیرہ میں اختیار کئے گئے۔ لیکن انگریز کبھی کسی ایسی چیز کی خواہش نہیں کرتے جس کو وہ اپنے حالات کو دیکھتے ہوئے غیر مناسب خیال کرتے ہوں کیونکہ وہ عملی لوگ ہیں۔ انگریز بہت مستقل مزاج ہیں۔ وہ تمام اجتماعی اور سیاسی معاملات میں فوری انقلاب ناپسند کرتے ہیں۔ ان کے اجتماعی، سیاسی اور علمی کارناموں پر نظر ڈالو وہ کسقدر آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھاتے ہیں آج انگریزوں کی پارلیمنٹ دنیا کی تمام پارلیمنٹوں میں سب سے زیادہ مضبوط اور باا ثر خیال کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ انگریز نظری جمہوریت کے مبادی سے زیادہ واقف ہیں یا فن قانون سازی میں انکو کوئی خاص امتیاز حاصل ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے اصول حکومت اور قوانین پارلیمنٹ، ایک زمانے کے غور و فکر کا نتیجہ ہیں۔ انھوں نے ایک ایک قدم سوچ کے اٹھایا ہے اور ہر قدم پر رک رک کر غور کیا ہے۔ اس لئے ان کا دستور العمل نہایت محکم اور ٹھوس ہے۔ اگر انگریزوں کی طبیعت میں جلد بازی ہوتی تو یقیناً شاہنشاہیت کے لئے خطرے پیش آتے اور خاندان شاہی کو ہرگز یہ موقع نہ ملتا کہ اپنے طرز عمل میں تبدیلی کرکے شہنشاہیت کو جمہور کی خواہش کے مطابق بنا دے۔ پس انگلستان میں شہنشاہیت کے قیام اور بقا کا ایک بڑا سبب انگریزوں کی فطرت ہے لیکن اسی کے ساتھ خاندان شاہی کے رویہ کو بھی اس میں بہت کچھ دخل ہے۔

جب خاندان شاہی نے یہ محسوس کر لیا کہ ملک، حکومت کے تمام اہم امور انجام دینے میں ان کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تو اس نے خود ہی اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنے لئے عمل کا ایک دوسرا گوشہ عام اجتماعی خدمت کا اختیار کر لیا۔ اس نے سابق بادشاہوں کی عزلت گزینی، کنارہ کشی اور اختلاط عام سے نفرت، ترک کردی اور عوام کے ساتھ ان کی تمام دلچسپیوں اور شادی و غم میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ وہ ان کے ساتھ ورزشی کھیلوں میں شریک ہوتے ہیں۔ ان کے جلسوں کی صدارت کرتے ہیں۔ بے روزگاری دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مزدوروں کی راحت و آرام کے لئے غور و فکر کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہمدردی کرتے

ہیں۔ ان کی یہ ہمدردی اور دلسوزی صرف زبانی نہیں ہوتی بلکہ وہ عملاً اس کا ثبوت پیش کرتے ہیں ضرورت کے وقت وہ عام ضروریات کے لئے عطیے دیتے ہیں۔ اور جب ملک کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو وہ خود اپنے اوپر راحت و آسائش کو حرام کر لیتے ہیں۔ وہ کبھی میدان جنگ میں نظر آتے ہیں، اور کبھی کوئلہ کی کانوں میں مزدوروں کے ساتھ کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ ایڈورڈ ہشتم کی ولی عہدی کا واقعہ ابتک لوگوں کو یاد ہوگا کہ اس نے ایک بار کوئلہ کی کانوں کا معائنہ کیا تو مزدوروں کی حالت زبوں دیکھکر بیچین ہو گیا جب نکلا تو اس کے چہرے پر حزن وملال کے آثار طاری تھے اور اس کے سینے سے سرد آہیں نکل رہی تھیں۔ اس نے جیب خاص سے گرانقدر رقم پیش کرکے مزدوروں کی اعانت کا ایک خاص فنڈ کھولا جس میں ہر طرف سے روپیہ برسنے لگا۔ جب گذشتہ جنگ عظیم شروع ہوئی تو بادشاہ نے بھی بستر راحت کو ترک کر دیا کبھی وہ فوجی چھاؤنیوں کا معائنہ کرتے پھرتے تھے اور کبھی ہسپتالوں میں جاکر زخمیوں کو تسلی دیتے تھے ان کا لڑکا ایک معمولی سپاہی کی طرح میدان جنگ میں لڑ رہا تھا۔ خود ایک موقع پر گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گئے تھے جنگ کے زمانہ میں ایک خاص موقع پر دو لاکھ گنی پیش کرکے حکومت کو مشکلات سے بچایا تھا۔ اور جب تک جنگ جاری رہی اپنے اور قصر شاہی کے کھانے پینے اور دوسرے اخراجات کو بہت کم کر دیا تھا تاکہ ملک ان کی اقتدا کرے۔ (ا۔ ث)

افلاس کا اثر دماغ پر

آج جبکہ تمام دنیا افلاس اور تنگدستی میں مبتلا ہے، یورپ اور امریکہ کے ڈاکٹر افلاس کے ذہنی و دماغی اثرات پر غور کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ افلاس میں جسقدر زیادتی ہوتی جاتی ہے مجنونوں کی تعداد میں بھی اسی قدر اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ نیویارک کے ہسپتال میں سنہ ۱۹۱۲ء میں ۶۳۰۰ مجنون زیر علاج تھے مگر سنہ ۱۹۳۴ء میں یہ تعداد بڑھکر ۱۲ ہزار تک پہنچ گئی۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ مجنونوں کی تعداد میں اضافہ کا سبب افلاس نہیں ہے بلکہ اعصاب کی سختی ہے۔ اسکا خیال ہے کہ صحت جسقدر عمدہ ہوتی ہے اعصاب میں اسی قدر سختی پیدا ہوتی ہے جسکا اثر دماغ پر پڑتا ہے۔ اور قوائے عقلی ضعیف ہو جاتے ہیں۔ (ع۔ ل)

Scanned by CamScanner